واصف علی واصف
شب چراغ
PDFBOOKSFREE.PK

واصف علی واصف

ناشر:

کاشف پبلی کیشنز

۱۔۳۰۔ اے جوہر ٹاؤن لاہور۔ فون: ۵۳۰۰۴۳۸

نام کتاب	شب چراغ
مصنّف	واصف علی واصفؔ
ناشر	کاشف پبلی کیشنز ۱۰۳-اے، جوہر ٹاؤن۔ لاہور (پاکستان) فون: ۵۳۰۰۴۳۸
سرورق	محمد حنیف رامے
	زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت	200/ روپے

ڈسٹری بیوٹرز: خزینہ علم و ادبؒ
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

اِنتسابؒ

والدین کے نام
جن کی دُعاؤں کی بدولت مَیں
"شب چراغ" پیش کر رہا ہُوں

یم بہ یم

سخن در سخن

کرن کرن

تن من — دوہے (متفرق اشعار)

کلامِ نو

یَم بہ یَم

(نظمیں)

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
(اقبالؒ)

حمدِ باری تعالےٰ

یاالٰہی تُو کارساز و کریم ! ماورائے حدوث نُورِ قدیم
بے نیازی تجھی کو زیبا ہے اوّل و آخر و خبیر و علیم
عالمِ شش جہت خفی و جلی ! سب کا خالق ہے تُو محیط و مقیم
ہیں وجود و عدم تری تخلیق دم بدم ہر جگہ عیان و عدیم
تیرے جلوے عیاں ہوئے ہر جا ۔ رنگِ گل، شبنم و نسیم و شمیم
بے نیازِ وجود نُور ترا ! آئینہ دیکھنے کو قلبِ سلیم
عرشی و فرشی، نُوری و ناری جن و انساں کریں تری تعظیم
گنجِ مخفی بھی آشکار بھی تُو ہو ازل یا ابد تری اقلیم !
کب رقم ہو سکے ثنا تیری ! راقم اشجار ہوں بحور رقیم !
کوئی ہمسر نہ ہے شریک ترا. جو کرے دعویٰ وہ لعین و رجیم
تُو نے بخشا ہے سب کو ذوقِ نمود یہ کواکب، قمر، یہ شمسِ عظیم
موجِ قلزم تری جبال ترے ہفت افلاک و ارض کا ہے نعیم
اپنے اپنے مَدار میں گرداں یہ نجومِ فلک، جمیل و جسیم
قلبِ مضطر کا تُو قرار و سکوں تُو ہے ستّار تُو غفور و رحیم

تُو عیاں میں نہاں، نہاں میں عیاں   صُورت و معنی ہیں کلام و کلیم
تُو ہی قہّار و قادر و جبّار!   منتقم تُو ہے، تو مذلِ عظیم
تیری ہیبت سے کانپتا ہے جہاں   لقمۂ نارِ موقدہ ہو غنیم
کافر و مشرک و ہنود و یہود!   زندہ ہیں اس لیے کہ تُو ہے کریم
جی رہے ہیں ترے سہارے پر   مورِ بے مایہ ہو کہ فیلِ شحیم
تُو ہے رازق محافظ و مولا!   آدمی ہے مگر ظلوم و خصیم
عقل حیراں ہے فلسفہ "گُم صُم"   تجھ کو سمجھے کوئی کہاں کا فہیم
تیری تسبیح، کائنات کی خُو!   ذرّہ ذرّہ کہے عزیز و حکیم
تیرا احسان ہے بہ شکلِ نبیؐ   ذاتِ اقدس تری رؤف و رحیم
اپنے محبُوبؐ کی محبت بخش   اے شہِ انس و جاں حکیم و حلیم
معصیت معرفت میں ہو تبدیل   دِل سے ہوں دُور خواہشاتِ ذمیم
خاک ہو جائے ماسِوا کی طلب   صرف تیری لگن ہو عزمِ صمیم
مومنوں کو ملے فغانِ سحر!   چاہنے والوں کو عطا ہو گلیم!
تیرے بندے نہ ہوں نحیف و غریب   تیرے باغی نہ ہوں امیر و لئیم؟
راہ بر کون، کون ہے رہزن؟   دُودھ پانی کی ہو ذرا تقسیم
اپنے اسلام کی حفاظت کر!   لوگ کرنے چلیں ہیں کچھ ترمیم

تُجھ کو اپنے حبیبؐ کی ہے قسم!   ہو عطا اُلفتِ نبیؐ کریم!
ہم بھی دیکھیں ذرا وہی جلوے   سامنے ہوں نظر کے طور و کلیمؑ
مظہرِ عینِ حق ہے ذاتِ نبیؐ!   مرکز و محور و محبّ و معیم
مسندِ عرش پر میانِ کمان   حُسنِ احمدؐ ہے احسنِ تقویم

شانِ مولا ہو کیا بیاں واصفؔ
اُس کا اِحسان ہے عظیم و قدیم

بارگاہِ صمدیّت میں

تُو ایک قلزمِ رحمت وسیع و بے پایاں
مَیں ریگ زارِ تمنّا میں تشنۂ باراں !

ترا جمال کہ ہے کائنات کی تنویر !
مَیں اِک مسافرِ شب تیرگی میں سرگرداں

تُو ایک راز کہ ظاہر بھی ہو تو پُر اسرار،
میں تیرے راز کا محرم میں تیرے فن کا نشاں

تُو سامنے ہو تو چھن جائے تابِ نظارہ
مَیں آئینے میں ہوں گُم مثلِ دیدۂ حیراں

تُو لامکاں کا مکیں اپنی ذات میں تنہا !
مری شریکِ سفر کیوں ہو گردشِ دوراں

تُو وہ کہ نُور سے تیرے ضیائے ارض و سما
مَیں تیرہ شب میں تمنائے روزنِ زنداں

تُو خود قریبِ رگِ جاں رہے تو بات الگ
مَیں دردِ شبِ ہجراں میں شورشِ گریاں

تُو ایک برقِ تجلّی کہ ہر وجود میں تُو !
مَیں ایک سنگ کہ اپنے وجود میں لرزاں

تُو وہ قدیم کہ آغاز ہے نہ ہے انجام ،
مَیں وہ کہ حادث و فانی و بے خبر انساں

تُو ہر خیال کی رفعت سے ارفع و اعلیٰ !
مَیں لاؤں کونسے الفاظ شان کے شایاں !

تُو آسکے تو مرے غم کی کائنات میں آ
مَیں آگیا تیری چاہت میں اب کہاں سے کہاں

عجب نہیں تُو مرے غمکدے میں آجاتے
عجب نہیں کہ مرے درد کو ملے درماں !

بجا کہ لطف و کرم بے کنار ہے تیرا !
بجا کہ مجھ کو ہے احساسِ تنگیِ داماں !
نگاہِ فکر سے پردے اٹھا مرے مولا ،
سرِ فلک بھی دھواں ہے سرِ نظر بھی دھواں
تجھے ہے واسطہ تیری بقائے مطلق کا ،
مرے وطن کی بقا کا بھی کچھ تو ہو ساماں !

تو ہی بتا کہ تجھے کیا کہے ترا وصّاف !
ملے زبان کو دل ، یا عطا ہو دل کو زباں !

بعد از خدا بزرگ توئی

یا نبی تیرا کرم درکار ہے
آزمائش میں مرا کردار ہے
دشمنانِ دین کے نرغے میں ہوں
حادثاتِ دہر کی یلغار ہے !
یا حبیبؐ اللہ تیرا ذکر بھی!
آج کے ماحول میں دشوار ہے
ہر نظر سہمی ہوئی ہر دل اداس
زندگی اب زندگی پر بار ہے

عہدِ ماضی میں جو اُمت تھی چٹان
آج وہ گرتی ہوئی دیوار ہے
دین پر دُنیا مسلط ہو گئی،
تیری اُمت بے کس و نادار ہے
دین کی خاطر بنا تھا یہ وطن!
دین کا آئین ہی درکار ہے
دین کیا ہے تیری اُلفت کے سوا
دین کا بس اِک یہی معیار ہے

تُو نظر پھیرے تو طوفاں زندگی!
تُو نظر کر دے تو بیڑا پار ہے!

میلادُالنبیؐ

مُبارک اہلِ ایماں کو کہ ختم المرسلیںؐ آئے
مُبارک صد مُبارک بانئ دینِ مبیںؐ آئے
مُبارک ہو کہ دُنیا میں شہِؐ دُنیا و دیں آئے
چراغِ طور آتے، زینتِ عرشِ بریں آئے

کہ حُسنِ ذات، دینے کے لیے ذوقِ یقیں آئے
مُبارک ہر جہاں کو رحمۃُ لِلعالمیں آئے

یہ روزِ کُن سے بھی پہلے زمانے کی کہانی ہے!
دو عالم میں محمدؐ کا نہ تھا ثانی، نہ ثانی ہے!
فنا زیرِ قدم، اُن کی بقا پر حکمرانی ہے!
محمدؐ کے غلاموں تک کی ہستی جاودانی ہے!
سراپا عشقِ حق بن کر حسینوں کے حسیں آئے
مُبارک ہر جہاں کو رحمۃُ لِلعالمیں آئے

وہی حامد و طٰہٰ ہیں مدثّر ہیں مزمّل ہیں
وہ کرّمنا بنی آدم کی تفسیرِ مکمّل ہیں!
امام الانبیاء ہیں، نور ہیں، انسانِ کامل ہیں
"خدا خود میرِ مجلس ہے محمدؐ شمعِ محفل ہیں!"
دِلوں کو نور دینے کے لیے نورِ مبیں آئے
مُبارک ہر جہاں کو رحمۃٌ لِلعالمیں آئے

دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا، سے آگے ہے مقام اُن کا
کلام اللہ کی تفسیر ہے گویا کلام اُن کا
حیاتِ جاوداں دیتا ہے دُنیا کو پیام اُن کا
خدا ہی جانتا ہے کس قدر پیارا ہے نام اُن کا
گنہگارو نہ گھبراؤ شفیعُ المذنبیں آئے
مُبارک ہر جہاں کو رحمۃٌ لِلعالمیں آئے

در و دیوارِ طیبہ کے خوشی سے جگمگاتے ہیں
فضائیں رقص کرتی ہیں پرندے چہچہاتے ہیں
ملائک حور و غلماں راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں
کہ سلطانِ زمانہ دہر میں تشریف لاتے ہیں
جبینِ آسماں جھکتی ہوئی سُوئے زمیں آئے
مُبارک ہر جہاں کو رحمۃٌ لِلعالمیں آئے

دو عالم کے دلوں کو نور دیتا ہے جمال اُن کا
یہ جاں اُن کی یہ دِل اُن کا صفت اُن کی کمال اُن کا
یہ دِن اُن کا چراغ اُن کے فراق اُن کا وصال اُن کا
غلامِ کمتریں واصفؔ علی کو ہے خیال اُن کا
محمدؐ کی غلامی میں قلوبُ العاشقیں آئے
مُبارک ہر جہاں کو رحمۃٌ لِلعالمیں آئے

معراج کی رات

بامِ اقصےٰ سے چلا رشکِ قمر آج کی رات
فرشِ رہ ہوگئی تاروں کی نظر آج کی رات

مِثلکُمْ ہی سہی اِنسان، مگر آج کی رات
عرش پر کرنے گیا ہے وہ بسر آج کی رات

ڈھل گئے نُور میں سب ارض و سما، کون و مکاں
لامکاں تک ہوئی پروازِ بشر آج کی رات

"قابَ قوسَین" سے اَدنیٰ ہے مقامِ محمود!
سرنگوں کر گئی ادراک کا سر آج کی رات

عشقِ بے تاب کی کیا بات ہے اللہ اللہ!
کُھل گئے گنبدِ افلاک کے در آج کی رات

شبِ اسریٰ پہ ہوں قربان ہزاروں راتیں،
بزمِ ہستی کی ہے تابندہ سحر آج کی رات

بے خبر، رفعتِ آدم سے ہے جبریلِ امیں!
منزلِ سدرہ ہوئی گردِ سفر آج کی رات

مرحبا سیّدِ مکّی مَدنیُ العربی!
عرش سے لائے دعاؤں کا اثر آج کی رات

حُسن ہے حدِّ تعیّن سے ورا آج کی رات
چل دیا سوئے خُدا نُورِ خُدا آج کی رات

آج کی رات ہے تکمیلِ عروجِ آدم
حُسنِ تخلیق پہ نازاں ہے خُدا آج کی رات

آگیا جوش میں رحمت کا سمندر امشب
گنجِ مخفی ہُوا مائل بہ عطا آج کی رات

نکہت و نور میں ڈھلنے لگے لمعاتِ جمال!
چشمِ فطرت ہوئی حیراں بخُدا آج کی رات

دِل دھڑکتے ہیں ستاروں کے، قمر چشم براہ
حور و غلماں نے کہا صلِّ علیٰ آج کی رات

خوشبوئے گیسوئے والّیل سے مہکا عالم!
چشمِ "مازاغ"، ہوئی جلوہ نما آج کی رات

بزمِ رنداں نہ ہوئی ورنہ یہ کہتا واصفؔ
حُسن خود شوخیِ رندانہ ہُوا آج کی رات!

دم بخود گردشِ افلاک و زمیں آج کی رات
سرنگوں چاند ستاروں کی جبیں آج کی رات
جگمگاتا ہی رہے عرشِ بریں آج کی رات
لامکاں میں ہوا انسان مکیں آج کی رات!
شوقِ دیدار کی کیا بات ہے اللہ اللہ
درمیاں میم کا پردہ بھی نہیں آج کی رات
منزلِ سدرہ سے آگے ہے مقامِ محمود
دیکھتے رہ گئے جبریلِ امیں آج کی رات
حور و غلمان و ملائک کی زباں پر آیا !
حسن ہے حدِ تعین سے حسیں آج کی رات
جانے والا اسے سمجھے کہ بلانے والا !
کوئی اس راز کا ہمراز نہیں آج کی رات
رفعتِ صاحبِ لولاک کوئی کیا سمجھے
خاک پر گھستی رہی عقل جبیں آج کی رات
آج کی رات دعا مانگ رہا ہے واصف
کر عطا ربِ علی فتحِ مبیں آج کی رات !

شیرِ یزداںؑ

علیؑ مولا ہے رندانِ جہاں ہے | علیؑ نورِ ھدیٰ کا رازداں ہے
علیؑ شیدا محمد مصطفےٰؐ کا | علیؑ گویا مکینِ لامکاں ہے!
علیؑ کی ضرب ہے ضربِ الٰہی | علیؑ کا نام نصرت کا نشاں ہے
علیؑ کے ہاتھ کو کہیے یداللہ ! | علیؑ "من کنت مولا" کا بیاں ہے
علیؑ ہے کربلاؤں کی حقیقت | علیؑ کی داستاں کیا داستاں ہے
علیؑ ساجد، علی مسجودِ ھستی ! | علیؑ سجدوں کی عظمت کا نشاں ہے
علیؑ کی یاد سے مستی بہاراں، | علیؑ سے بغضِ عرفاں کی خزاں ہے
علیؑ شاہِ نجف شاہِ ولایت | علیؑ مولا، امامِ ہر زماں ہے

علیؑ غالب علیٰ ارض و سمٰوات — علیؑ داماد شاہِ ہر جہاں ہے
علیؑ مشکل کشا خلقِ نبوت ! — علیؑ بابِ حقیقت بے گماں ہے
علیؑ خیبر شکن شیرِ الٰہی — علیؑ مفتاحِ قلبِ آسماں ہے
علیؑ ہے واقفِ رازِ حقیقت — علیؑ شرع و طریقت کا بیاں ہے
علیؑ ہے رہنمائے جن و آدم — علیؑ لاریب میرِ کارواں ہے
علیؑ نے دین کو سینچا لہو سے — علیؑ باغِ نبیؐ میں گلفشاں ہے

علیؑ کی عین کے گوہر نرالے
علیؑ خود معدنِ علمِ نہاں ہے
علیؑ قاری علی قرآنِ ناطق
علیؑ کا نور بر نوکِ سناں ہے

علیؑ ہے ساقیِ تسنیم و کوثر — علیؑ خود تشنہ لب تشنہ زباں ہے
علیؑ ہے "لافتیٰ" "لاسیف" والا — علیؑ لیکن رضا کا پاسباں ہے
علیؑ کو میں علیٰ کہہ دوں و لیکن — علیؑ سجدے میں خود تسبیح خواں ہے
علیؑ کے فیض سے لاہور روشن — علیؑ کے دم سے اجمیری نشاں ہے
علیؑ کا نام ہے کلیر میں صابرؒ — علیؑ سے خسروِ شیریں بیاں ہے
علیؑ کا ہی "نظام دہلویؒ" ہے — علیؑ کی "لاٹ" ہی "قطبی نشاں" ہے

علیؑ خواجہ فریدالدینؒ کی منزل — علیؑ پاک پتن کی جانِ جاں ہے !
علیؑ کے نام سے مولائے رومی — علیؑ تبریزؒ کا سترِ نہاں ہے !
علیؑ کا فقر ہے فخرِ محمدؐ — علیؑ لحمک لحمی جسم و جاں ہے !
علیؑ ہے کاشفِ رازِ حقیقت — علیؑ وحدت میں اک کثرت نہاں ہے
علیؑ ہے شارحِ شانِ نبوت ! — علیؑ کا نام ہی حسنِ بیاں ہے !
علیؑ ہے مرکزِ پرکارِ ہستی — علیؑ جب بھی جہاں ہے درمیاں ہے
علیؑ سے اولیاء کی زندگی ہے — علیؑ کی ذات ہی روحِ رواں ہے

علیؑ کی یاد ہے وصفِ علی کو
علیؑ خود اس زمیں کا آسماں ہے !

لافتیٰ...

بس رہی ہے فضاؤں میں خوشبو
پھر کھنکنے لگے ہیں جام و سبو!
سوزِ دل سے چراغ جلتا ہے
دردِ غربت کدے میں پلتا ہے
اُن کا فیضِ نظر ملا ہے مجھے!
اُن کی شفقت کا آسرا ہے مجھے
اُن کی مدحت مری مجال نہیں
ہے اُنہی کا، مرا کمال نہیں!

اُن کے سائے سے پیار کرتا ہوں
جان اُن پر نثار کرتا ہوں
جن کی ہیبت سے سرنگوں اصنام
وہی مولا امامِ عالی مقام
وجہِ عرفانِ اولیائے جہاں
زد میں ہیں جن کی لامکان و مکاں
نام جن کا علیؑ اسداللہ
جن کا چہرہ بنا ہے وجہ اللہ
سوز و ساز و سخن علیؑ مولا!
سایۂ ذوالمنن علیؑ مولا
ردِّ رنج و محن، علیؑ مولا!
زینتِ انجمن، علیؑ مولا
میرے من کی لگن علیؑ مولا!
رازِ خیبر شکن، علیؑ مولا!
سرِّ ستر نہاں علیؑ مولا!
بے نشاں را نشاں علیؑ مولا!

رہبرِ انس و جاں علیؑ مولا
بابِ علمِ رواں علیؑ مولا
فخرِ ختمِ رسلؐ علیؑ مولا
آفتابِ سبل علیؑ مولا !
شیرِ یزداں علیؑ ولی اللہ
شاہِ مرداں علیؑ ولی اللہ
لافتیٰ برملا علیؑ حیدرؑ
ساقیٔ میکدہ علی حیدرؑ
ہیں نگاہِ رسولؐ کے مقبول !
وارثِ دینِ حق پناہِ بتولؑ
فیض اُن کی نظر سے ملتا ہے
کب اِدھر یا اُدھر سے ملتا ہے !
مَیں نے جب بھی انہیںؑ پکارا ہے
اک صدا آئی "تو ہمارا ہے" !
فیضِ عالم ہیں مظہرِ انوار
اُن کے صدقے میں ہوگا بیڑا پار

امام حسینؑ

السلام اے نورِ اوّل کے نشاں
السلام اے رازدارِ کُن فکاں
السلام اے داستانِ بے کسی !
السلام اے چارہ سازِ بیکساں
السلام اے دستِ حق باطل شکن
السلام اے تاجدارِ ہر زماں
السلام اے رہبرِ علمِ لدُن !
السلام اے افتخارِ عارفاں !
السلام اے راحتِ دوشِ نبیؐ !
السلام اے راکبِ نوکِ سناں
السلام اے بوترابؑ کی دلیل
السلام اے شاہبازِ لامکاں

السلام اے ساجدِ بے آرزو

السلام اے رازدارِ قدسیاں !

السلام اے ذوالفقارِ حیدری

السلام اے کشتۂ تسلیم جاں

السلام اے مستیٔ جامِ نجف !

السلام اے جنبشِ کون و مکاں

السلام اے رازِ قرآنِ مبیں

السلام اے ناطقِ رازِ نہاں !

السلام اے ہم نشینِ ریگِ دشت

السلام اے کج کلاہِ خسرواں !

السلام اے دُرِّ دینِ مصطفےٰؐ !

السلام اے معدنِ علمِ رواں !

السلام اے گوہرِ عینِ علیؑ
دینِ پیغمبرؐ کے عنوانِ جلی

گنج بخشِ فیضِ عالمؒ !

اَلسّلام اے سیّدِ ہجویرؒ قطبُ الاولیاء
السلام اے مرکزِ توحید، انوارِ الٰہ !

سطوتِ علم الیقین و شوکتِ دینِ مبیں !
رہبرِ اقلیمِ عرفانِ محمدؐ مصطفےٰ !

اے شہِ بطحاؐ کے نور و کاشفِ رازِ خفی،
شارحِ شانِ ولایت نورِ چشمِ مرتضےٰؑ !

قرنِ اوّل میں ترا رُخ صبحِ اوّل کی نمود
مہر و ماہِ عارفانِ ہند کے صدرُ العلےٰ

تُو نشانِ عزم و وجدانِ قلوبِ الصّالحین
رہبرِ صدق و صفا و منبعِ جود و سخا

گوہرِ نایاب تُو ہے موجِ بحرِ نورِ حق !
حق پناہ و حق نگر حق گو حقیقت آشنا

خطۂ لاہور میں سربستہ رازِ لا الٰہ
سرزمینِ شوق و مستی میں بہاروں کی فضا

کعبۂ گنج شکرؒ گنج ولایت، گنج بخشؒ !
قبلہ گاہِ خواجۂ ہندالولی روضہ ترا !

یا علی مخدوم ہجویریؒ یہ ہے تیرا کرم
سرزمینِ پاک میں ہے آج نامِ کبریا

اے فقیر و صوفی و صدّیق و صنّاعِ سلوک
پاسبانِ سُنّت و شرع و سجودِ بے ریا !

یہ زمیں تیری ہے تیرے چاہنے والوں کی ہے
ابتدا ہے لَا اِلٰہ اس کی یہی ہے انتہا !

آج پھر ملّت کو ہے اندیشۂ کم مائیگی !
آیۂ لَا تقنطو کی شرح ہو جائے ذرا

اب ضرورت ہے شرابِ شوق کی اِس قوم کو
جامِ اِلَّا اللہ کو ساقی ذرا گردش میں لا !

توڑنا ہے پھر ہمیں گویا طلسمِ سامری !
گنج بخشِ فیضِ عالم ہو یدِ بیضا عطا

لَا اِلٰہ ہر دَور میں قائم رہے گا بالیقیں
ہے یدِ مومن ہی گویا ہاتھ اب اللہ کا !

سرزمینِ پاک پر ہے کرگسوں کا کیوں ہجوم !
کس کی غفلت سے ہوا ملّت کا شیرازہ جُدا !

اے ظہورِ صورتِ بے صورتِ آقائے کُل !
خدمتِ دینِ مُبیں سے "فیضِ عالم" ہو گیا !

تو بیانِ "کشفِ محجوب" و نشانِ بے نشاں ،
اے شہیدِ حُسنِ کامل گنج بخشِ پیرِ ما !

آستاں تیرا ہے گویا اِک نشانِ دینِ حق ،
تیرے در پر جھک گیا جو پا گیا راہِ خُدا

دِلّی و اجمیر میں گونجی صدائے گنج بخشؒ
تیرا فیضانِ نظر قطرے کو دریا کر گیا !

گنج بخشی ہے تری مشہور داتا گنج بخش !
گاہے گاہے یک نگاہے بر فقیرِ بے نوا

واصفِ مسکیں چہ گوید ایں مقامِ حیرت است
خواجۂ من قبلۂ من گفت قولِ حق بجا !

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

خواجہ جی

خواجہؒ ملن کی پیاس ہے دل میں نینوں میں برساتیں ہیں !
تنہائی کے چُپ آنگن میں میری اُس سے باتیں ہیں !
خواجہؒ مرے کا راز نرالا ، خواجہؒ سے ملے تورین اُجالا
درس بنا جگ گھور اندھیرا دِن اپنے بھی راتیں ہیں
جگت گروؒ کی آنکھ کا تارا ، خواجہ معین الدینؒ ہمارا
دولہا ہے اجمیر نگر کا ، گھر گھر میں باراتیں ہیں !
وحدت ، کثرت عین طریقت ، ہر چہرے میں ایک حقیقت
قطبؒ فریدؒ نظامؒ اور صابرؒ ایک صفت کی ذاتیں ہیں !
چشت نگر میں نِس دن میلے ، عشق یہاں محفل میں کھیلے
آنکھ میں آنسو ، لب پہ ترانے ، یہ چشتی سوغاتیں ہیں
رہنا ہے ہر حال میں راضی ، خواجہ سنگ ہے جیون بازی
خواجہ جی کی جیت ہمیشہ ، مجھ پاپن کی ماتیں ہیں !
آنکھ سے اوجھل دِل میں بسیرا من موہن ہے خواجہ میرا
واصفؔ اس کی پریت نرالی اس کی انوکھی گھاتیں ہیں

خواجہ معین الدینؒ

آفتابِ روئے احمدؐ کی درخشندہ کرن
ماہتابِ کشورِ عرفاں معین الدیں حسنؒ
چشتیانِ سرزمینِ پاک کی مستی کا راز
تُو سراپا جانِ محفل تُو چراغِ انجمن
خواجۂ عثمانِؒ ہارونی کی چشمِ التفات
وارثِ دینِ محمدؐ نورِ چشمِ پنج تن !
سُرمۂ چشمِ بصیرت ہے ترے کوچے کی خاک
عینِ عشقِ مصطفیٰؐ ہے پیرِ کامل کی لگن !
سیّدِ ہجویرؒ قطبُ الاولیاء کا رازداں
شاہبازِ لامکان و جانِ من ، جانانِ من !!
تو منافق کے جگر پر ایک ضربِ آخری !
ہند کے ظلمت کدے میں نورِ اوّل کی کرن
یا معین الدین اجمیری بنامِ گنج بخشؒ ،
سوئے ماضی لوٹ جائے گردشِ چرخِ کہن

منزلیں گم ہو گئیں رستے فضا میں کھو گئے
شاہبازوں کے علاقے لے گئے زاغ و زغن

خون سے اپنے شہیدوں نے کیا جس کو رقم
پارہ پارہ ہو گیا اس داستاں کا پیرہن

گُل کھلیں گے یا اُگیں گے خار دیکھا جائے گا.
آندھیوں کی زد سے تو محفوظ ہو پہلے چمن

پھر نظامِ گلستاں ہوگا جنوں والوں کے پاس
باندھ کر نکلے گی پوری قوم جب سر سے کفن!

آ گیا ہے لب پہ آخر آج حرفِ مدعا !
اپنے سرمستوں کو خواجہ دیجئے اذنِ بزن

جانے کس دیوانگی میں ان سے ہوں میں ہمکلام
مَیں کہ واصفؔ ہوں گدائے والیٔ شہرِ وطن

فریدُالدّین مسعُودؒ گنجِ شکر

جہد و زُہدِ انبیاء۔ گنجِ شکر بابا فریدؒ
رہنمائے اولیاء۔ گنجِ شکر بابا فریدؒ

حضرتِ خواجہ معینُ الدینؒ کی آنکھوں کے نور
مہرِ عرفاں کی ضیاء۔ گنجِ شکر بابا فریدؒ

اس وطن کا نقشِ اوّل "خطۂ شہرِ پتن"
رہبروں کا پیشوا گنجِ شکر بابا فریدؒ

زندگی میں وا ہوا جس کے لیے "بابِ بہشت"
پیکرِ صبر و رضا گنجِ شکر بابا فریدؒ

جس نے "محبوبِ الہٰیؒ" کو دیا "رنگِ جمال"
وہ "چراغِ چشتیہ" گنجِ شکر بابا فریدؒ

صابرِ کلیرؒ کو اِس در سے ملا "رنگِ جلال"
مصدرِ بابِ عطا گنجِ شکر بابا فریدؒ

کیوں نہ ہو وردِ زباں واصفؔ علیؔ نامِ فریدؒ
گوشۂ دل پر لکھا گنجِ شکر بابا فریدؒ

"چل خسروؒ گھر اپنے...."

مَیں ماٹی کی مورتی ۔ ماٹی میرا دیس
ماٹی موری جات ہے، مَیں لاتی سندیس
ماٹی بھید اگم کا ۔ ماٹی کی کیا بات
سُندر پھُول سے پوچھیو ماٹی کیسا دیس!
ماٹی میں جل، اگنی ماٹی پَوَن جھکور
ماٹی ہی من موہنی، ماٹی کرے کلیس
ماٹی، ماٹی کھا گئی ، ماٹی مور کھ کو کھ!
ماٹی، ماٹی جنم دے ، ماٹی سَو سَو بھیس
ماٹی بھولے پریم کو، جگ کلجگ بن جائے
ماٹی جگ کا دیس ہے، جگ اِس کا پردیس
ماٹی کھڑ کھڑ بولتی ، بیتے جُگ ہزار
ماٹی لاگی دھڑکنیں، کھڑ کھڑ بے چو دیس

ماٹی آئے کوکھ سے، ماٹی کوکھ بسے !
دھرتی ماتا دھرم ہے، ماٹی کا سندیس
ماٹی جگ کو موہ کے، جائے ماٹی سنگ
"گوری سوئے سیج پہ، مکھ پر ڈالے کیس"!
خسرو کا گر آتما، واصف گُر کی بات
امر کرے پرماتما، ماٹی دیس بدیس!

"گلیمِ بُوذری"

الحذر از حبِّ دنیا الحذر

یہ جہاں منزل نہیں، ہے رہگذر
خوبصورت ہے جہانِ رنگ و بُو
کارواں سے ہی بچھڑ جائے نہ تُو
کتنے دارا و سکندر کھو گئے
مل گئے مٹی میں مٹی ہو گئے !
یہ جہاں فانی، فنا کو ہے قیام
اس جہاں میں کس کو حاصل ہے دوام
ڈوب جاتے ہیں ستارے، ماہتاب
"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"
شور فانی ہے مگر باقی سکوت
یہ نفس ہے ایک تارِ عنکبوت!
زندگانی موت کی تصویر ہے !
ہر تمنا پاؤں کی زنجیر ہے

موت سے ممکن نہیں ہرگز مفر
نیستی، ہستی ہیں دونوں ہمسفر

کس لیے ہیں آرزو کے سلسلے
سوچ تنہائی میں گر فرصت ملے

کیا رہے گا تُو سدا اِس جا مکیں
کیا نہ جائے گا کبھی زیرِ زمیں !

ہے کہاں بچپن ترا ماضی کہاں !
اب کہاں چہرے پہ باقی سُرخیاں

تُو مسافر ہے مسافر بن کے چل
وقت کے دشوار رستے میں سنبھل

گُلشنِ ہستی میں آیگا نہ وار
دیکھتا جا اِن بہاروں کا نکھار

لاکھ مُرغانِ چمن ہوں نغمہ زن
صوت کے جادو میں کھو جائے نہ من

دیکھ چُپکے سے خزاؤں کا طلسم
دیکھ بن کر ایک آئینے کا جسم

برق میں تنکے ہیں یا تنکوں میں برق
موت و ہستی میں ہے بس اتنا ہی فرق

خرمنِ ہستی پہ رکھ اپنی نگاہ !
اک شرر کافی ہے کرنے کو تباہ !

تجھ کو جانا ہے جہاں آباء گئے
جانے والے سب یہی فرما گئے !

تُو نے دیکھے ہیں جنازے بے شمار
تُو نے کیا دیکھا نہیں اپنا مزار

تجھ کو ہنگاموں سے فرصت بھی ملے
غور فرمانے کی مہلت بھی ملے !

ہار پہنائے کوئی تجھ کو اگر !
جھوم جاتے ہیں ترے قلب و نظر

جھوٹ ہے تُو صاحبِ عرفان ہے
اے سگِ دُنیا یہی بُہتان ہے

زر پرستی . زرفشانی ، زرگری!
فقر کو سمجھا ہے تُو سوداگری !

تیری شُہرت کے لیے ہے بندگی
زندگی کے بعد بھی شرمندگی

تو فقط ہے بندۂ حرص و ہَوا
بے خبر تُو فقر کو سمجھا ہے کیا

غم نہیں غم میں وہ ہے بے آرزو
فقر کی منزل مسلسل جُستجو !

ہاں مگر وہ جُستجو کچھ اور ہے
طالبِ مولیٰ کا اپنا طَور ہے

اپنی منزل آپ جو طے کر گیا
وہ یہاں مرنے سے پہلے مر گیا !

حُبِ دُنیا ہے تمنائے یزید !
طالبِ دُنیا کمینہ سگ پلید !

فقر کیا ہے فکرِ دُنیا سے نجات
فکرِ عقبیٰ فقر کا رازِ حیات

فقر ہے "اَلفقرُ فخری" بالیقیں
فقر کے دامن میں مال و زر نہیں

فقر اور اندیشۂ سُود و زیاں ؟
اِک حسیں چہرے پہ چیچک کے نشاں؟

فقر ہے بے تابیٔ قلبِ حزیں
فقر اشکوں کے سوا کچھ بھی نہیں

فقر ہے نانِ جویں کی داستاں
زر پرستی فقر کی حامل کہاں

فقر تاریکی میں ہے روشن دِیا
"فقر کی آواز ہے بانگِ درا"

فقر کا جامہ گلیمِ بوذری
فقر کے بازو میں زورِ حیدری

فقر قرنیؒ، فقر جامیؒ، فقر رومؒ
فرش کیا ہے عرش پر ہے اس کی دُھوم

فقر کے لب پر صدائے لَا اِلٰہ
اُندلس ہو، سندھ ہو، یا کربلا

فقر کی مستیِ کا عالم نیم شب
حق سے بندے کو ملانے کا سبب

فقر کیا ہے ایک مردِ دیدہ ور
ہر زمان و ہر جہاں سے باخبر

فقر اِلّا اللہ کی تفسیر ہے
فقر کیا ہے سجدۂ شبیرؑ ہے

فقر ہے چاکِ گریبانِ حیات!
فقر ہی ہے موجِ بحرِ اسمِ ذات

فقر کے دم سے ہے قائم انجمن
فقر کے در پہ جُھکوں چرخِ کُہن

فقر جبّہ میں ہے نے دستار میں!
یہ دُکانوں پر ہے نے بازار میں

فقر ملتا ہے نہ جاہ و مال سے
فقر ملتا ہے نبیؐ کی آل سے!

فقر مل جائے جسے وہ ہے وَلی!
کون سمجھائے تجھے واصفؔ علی

مئے شوق

تری شان بوترابی، میرا ذوق خاک بازی
ترے آستاں پہ لائے مجھے تیری دل نوازی!

مَیں نکل گیا خرد سے مَیں جنونِ باخبر ہوں،
میری زد میں لامکاں ہے میرا کام شاہبازی

تُو ہے ساقیٔ زمانہ مَیں ہوں رندِ جاودانہ
ہو عطا مئے شبانہ، کہ جُھکے ترا نمازی!

ترے نقشِ پا کا سجدہ میری بندگی کا حاصل
اسی بندگی سے رندی، اسی بندگی سے رازی

تیری یاد کا ولی ہوں کہ مَیں واصفِ علی ہوں!
نہ خفی ہوں نہ جلی ہوں مَیں ہوں حرفِ بے نیازی

طائرِ لاہوتی

مَیں نعرۂ مستانہ، مَیں شوخیِ رِندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں، پی کر بھی کہاں جانا

مَیں طائرِ لاہوتی، مَیں جوہرِ ملکوتی!
ناسوتی نے کب مجھکو اس حال میں پہچانا!

مَیں سوزِ محبت ہوں مَیں ایک قیامت ہوں
مَیں اشکِ ندامت ہوں مَیں گوہرِ یکدانہ

کس یاد کا صحرا ہوں کس چشم کا دریا ہوں
خود طُور کا جلوہ ہوں ہے شکل کلیمانہ!

مَیں شمعِ فروزاں ہوں مَیں آتشِ لرزاں ہوں
مَیں سوزشِ ہجراں ہوں مَیں منزلِ پروانہ

مَیں حُسنِ مجسّم ہوں مَیں گیسوئے برہم ہوں
مَیں پھول ہوں شبنم ہوں مَیں جلوۂ جانانہ

مَیں واصفِ بسمل ہوں میں رونقِ محفل ہوں
اِک ٹُوٹا ہُوا دل ہوں میں شہر میں ویرانہ

زندگی

زندگی اپنے لہُو کا نام ہے — اِعتبارِ آرزُو کا نام ہے
زندگی ہے لذّتِ سوزِ دوام، — زندگی ہر حال میں ہے تشنہ کام
زندگی اِک آرزوئے خام ہے — زندگی زندہ برائے نام ہے
زندگی حسرت بھری فریاد ہے — زندگی گویا کسی کی یاد ہے!
اشکباری زندگی کا مشغلہ — ہر قدم پر زندگی اک مرحلہ
پی رہی ہے زندگی اپنا لہُو — لُٹتی ہے آپ اپنی آبرُو!
سوزشِ دردِ جگر ہے زندگی — ایک خوابیدہ سحر ہے زندگی

زندگی اک وادیٔ پُرخار ہے
گویا رسوائی سرِ بازار ہے !

زندگی ہے ایک گردابِ بلا
زندگی ہے آپ اپنا ناخُدا

زندگی ہی زندگی کا ناگ ہے
زندگی پانی میں زندہ آگ ہے

اِک مسافر کا سفر ہے زندگی
پُرخطر اِک رہگزر ہے زندگی

زندگی بُھولی ہوئی منزل بھی ہے
زندگی ٹوٹا ہوا اِک دل بھی ہے

زندگی کا ہر فسانہ زندگی !
جانے والوں کا نہ آنا زندگی!

زندگی خود شانۂ الہام ہے
فکر میں ڈوبی ہوئی اِک شام ہے

زندگی فنکاریٔ معمار ہے
زندگی گِرتی ہوئی دیوار ہے !

دے رہی ہے زندگی ہر دم صدا
”حسرتا وا حسرتا وا حسرتا“

زندگی آنکھوں کے نم کا نام ہے
زندگی خاموشِ غم کا نام ہے

زندگی ہے ایک گونہ انتظار ۔
بے قراری زندگی کا ہے قرار

زندگی ہے آگ میں جلنے کا نام
زندگی ہے پھولنے پھلنے کا نام

ہاتھ سے جائے تو لاشہ زندگی ،
ورنہ ہے ذوقِ تماشہ زندگی

دل جواں ہو تو جواں ہے زندگی
ورنہ مرگِ ناگہاں ہے زندگی!

ہے خمِ زلفِ نگاراں زندگی!
ہے کبھی جشنِ بہاراں زندگی

زندگی دیپک بھی ہے ملہار بھی
زندگی آتش بھی ہے گلزار بھی

گاہ ہستی رہبرِ افلاک ہے
گاہ یہ خاموش زیرِ خاک ہے

زندگی ہے اک تبسم زیرِ لب
زندگی شمعِ فروزاں نیم شب

زندگی اقوال بھی احوال بھی !
زندگی آئینۂ اجمال بھی !

زندگی کی ضرب ہے ضربِ کلیم
زندگی گاہے گُلہ گاہے گلیم !

زندگی ہے ایک بحرِ بے کراں،
یہ کبھی صحرا کبھی کوہِ گراں

زندگی ہے اِک پریشاں داستاں
کوئی حصہ ہے یہاں کوئی وہاں

ہے کبھی یہ ایک حرفِ آرزو
ہے کبھی یہ بے نیازِ جستجو

گردشِ شام و سحر ہے زندگی
ایک سیمابی نگر ہے زندگی !

زندگی کے زمزمے ہیں چار سُو
زندگی ہے گردشِ جام و سبو

زندگی عریانیِ اجسام بھی !
زندگی ہے گردشِ ایام بھی!

”نقشِ فریادی بھی“ ہے ”تصویر“ بھی
زندگی ہے شوخیٔ تحریر بھی

زندگی کیا ہے سہانا خواب ہے
زندگی اِک گوہرِ نایاب ہے

آنسوؤں کی ایک مالا زندگی !
چاند سے چہرے کا ہالا زندگی !

تھم بھی جائے تو رواں ہے زندگی
داستانِ کُن فکاں ہے زندگی

ہے کبھی تسلیم کی خُو زندگی!
ہے کبھی ”میں“ اور کبھی ”تُو“ زندگی

زندگی ہے کُشتۂ تیغِ ستم !
یُوں بھی ہے ہستی کا اندازِ کرم

مفلسی میں بھی گزر کرتی ہے یہ
زندگی محبوب کی قُربت بھی ہے
گیسوئے خم دار کا سایہ بھی ہے
ایک شوخی ہے حیا ہے زندگی
کامنی سی ایک صُورت زندگی
زندگی ہے ایک چشمِ سُرمگیں
زندگی سہمی ہوئی دُلہن بھی ہے
ہے نوازش ہائے موسم زندگی
جگمگاتے آبگینوں کے لیے
زندگی ہے موردِ الزام بھی!
زندگی ہے زخمۂ مضراب بھی
رقص کرتی ہے سرِ مژگاں کبھی
اِک تماشا ہے تماشائی بھی ہے
زندگی کا شغل مے نوشی بھی ہے
زندگی نیشترِ نگئ دوراں بھی ہے
کاسۂ ہستی کبھی بھرتا نہیں!

تخت پر بھی سسکیاں بھرتی ہے یہ
زندگی افسانۂ فُرقت بھی ہے
زندگی نے خود کو بہلایا بھی ہے
حُسن ہے حُسنِ اَدا ہے زندگی
موہنی سی ایک مورت زندگی
زندگی ہے ایک زُلفِ عنبریں
زندگی بے نام سا مدفن بھی ہے
ہے کبھی تند اور کبھی سم زندگی
زندگی ہے مہ جبینوں کے لیے
مے کدے میں اِک سہانی شام بھی
مرمریں باہوں میں اِک سیماب بھی
دم بخود ہوتی ہے یہ بے جاں کبھی!
زندگی معشوقِ ہرجائی بھی ہے!
زندگی کا فعل غم پوشی بھی ہے
یہ رہینِ منّتِ درباں بھی ہے
زندگی بھر دل کبھی مرتا نہیں

ٹھوکریں کھا کر بدل جاتی ہے یہ
زندگی ہے چاک ہو جانے کی خُو
زندگی اپنے جنوں کا نام ہے
موجۂ آبِ رواں ہے زندگی
زندگی کیا ہے بجُز سوزِ دروں
زندگی ذوقِ فنا کا نام ہے!
لاکھ حیلوں سے گزر کرتی ہے یہ
موت ٹل جائے تو کوئی غم نہیں
نامکمل ہے ابھی تک کائنات
ساز کے سینے میں اِک آواز ہے
زندگی گُل میں مثالِ رنگ و بُو
زندگی الفاظ میں آتی نہیں
اپنی آزادی میں یہ مجبور ہے
کِس نے پایا ہے سُراغِ زندگی
فلسفی سمجھا نہیں مجبور ہے
زندگی ساحل بھی ہے طوفان بھی

ایک پَل میں بھی سنبھل جاتی ہے یہ
دامنِ ہستی کیا کِس نے رفو؟
زندگی آنکھوں میں خوں کا نام ہے
زندگی کے درمیاں ہے زندگی
زندگی ہے آیۂ لَا یحزنون!
یہ تیقّن حاصلِ ابہام ہے!
زندہ رہنے کے لیے مرتی ہے یہ
ورنہ محشر سے یہ ہستی کم نہیں!
کر رہی ہے زندگی کچھ تجربات
زندگی کیا ہے سراپا راز ہے!
جیسے فن میں صاحبِ فن کا لہو
راز افشانی اسے بھاتی نہیں
زندگی رِستا ہوا ناسور ہے!
زندگی ہے خود چراغِ زندگی
زندگی خود زندگی سے دُور ہے
خود مسیحا، خود بلائے جان بھی!

ہاں مگر یہ زندگی انعام ہے　　خالقِ مطلق کا اپنا کام ہے !
زندگی ہے سنگِ دَر کی آرزو　　"خوب سے ہے خوب تر کی جستجو"
زندگی ہے مظہرِ ظلِّ اِلٰہ !　　زندگی کا راز ہے کرب و بلا
زندگی کا مُدعا دیدہ وری　　زندگی کی موت ہے سوداگری
زندگی روشن جبیں کا نام ہے　　زندگی پختہ یقیں کا نام ہے
زندگی ہے واجبِ صد احترام　　زندگی ہے انقلابِ صبح و شا"

یار کے دم سے سلامت زندگی !
ورنہ واصف ہے قیامت زندگی

کاروانِ حیات

کاروانِ زندگی پیہم رواں ہے صبح و شام
اِس فنا کے دیس میں حاصل ہُوا کس کو قیام
پُھول جو کِھلتا ہے وہ اِک دن یہاں مرجھائے گا
یہ سرائے فانی ہے جو آئے گا وہ جائے گا
اپنی اپنی منزلوں پر ہیں ستارے گامزن !
صبح دم خاموش ہو جاتی ہے ساری انجمن
رات کے دامن سے آ لگتا ہے نورِ آفتاب
شام پہنانے چلی آتی ہے سورج کو نقاب !

جگمگاتی صبح کی تقدیر کالی شام ہے
زندگی کی دھڑکنوں کا موت ہی انجام ہے

لکھنے والے نے لکھا ہستی کی قسمت میں زوال
ہاں مگر باقی رہے گی ذاتِ ربِ ذوالجلال !

مردِ کامل ہے وہی جو منزلیں طے کر گیا
زندگی اُس کی ہے جو مرنے سے پہلے مر گیا

موت کیا ہے حق سے بندے کو ملانے کا سبب
موت سے ڈرتے نہیں جو جاگتے ہیں نیم شب

پیر پیغمبر، ولی، درویش، مردانِ خُدا
موت کی وادی سے گزرے ہیں بہ تسلیم و رضا

زندگی اور موت ہے اپنی خُدا کے واسطے
مردِ مومن ہے فقط صبر و رضا کے واسطے

سانس کی آری سے کٹ جاتا ہے ہستی کا شجر
زندگی میں موت سے ممکن نہیں ہرگز مفر

حشر برپا ہیں کئی اِک جذبۂ خاموش میں !
زندگی سوتی ہے آخر موت کی آغوش میں

روزِ اوّل سے یہی ہے زندگی کا سلسلہ،
موت کیا ہے زندگی کا آخری اِک مرحلہ !

برق میں تنکے ہیں واصفؔ یا کہ ہے تنکوں میں برق
موت اور ہستی میں کیا سمجھے کوئی انسان فرق !

نوائے راز

شبِ انتظار کی بات ہُوں غمِ برقرار کی بات ہُوں
کسی راز دار کی بات ہُوں بڑے افتخار کی بات ہُوں
کبھی سنگ ہُوں کبھی خار ہوں میں کبھی جنونِ بہار ہُوں
تری حسرتوں کا مزار ہوں، ترے رہگزار کی بات ہُوں!
ہوں کسی کی دید کی آرزو، اسی آرزو سے ہے آبرو!
ہے ازل سے ایک ہی جستجو، مَیں کسی کے پیار کی بات ہُوں
مَیں کسی کی زُلف کا ناز ہوں، کسی غزنوی کا ایاز ہُوں،
کسی میکدے کا مَیں راز ہوں، کہ نگاہِ یار کی بات ہُوں!
مَیں صدائے روزِ الست ہوں، مَیں اسی خمار میں مست ہُوں
نہ بلند ہوں نہ مَیں پست ہوں، کہ وفا شعار کی بات ہُوں!

مَیں غرورِ عشق کی لاش ہوں، تیرے سنگِ در کی تلاش ہُوں
میں دل و جگر کی خراش ہوں، کہ میں نوکِ خار کی بات ہُوں
تُو ہی بے نشاں کا نشان ہے، تُو ہی ماورائے گمان ہے۔
مجھے تیری ذات پہ مان ہے، مَیں نفس کے تار کی بات ہُوں
تُو ہی برقِ حُسنِ جمال ہے، میرے آشیاں کا مآل ہے
یہ فراق عینِ وصال ہے، مَیں چمن کے بار کی بات ہُوں
مَیں کسی کا حُسنِ خیال ہوں، کہ مصوّری کا کمال ہُوں
مَیں کسی نظر کا جمال ہوں، کسی برقبار کی بات ہُوں!
مَیں نہاں کبھی ہوں شہود میں مَیں نہ ہست میں ہوں نہ بُود میں
مَیں رکوع میں نہ سجود میں، دلِ بے قرار کی بات ہُوں
کبھی نقشِ پا پہ گرا ہوں مَیں، کبھی منزلوں سے ورا ہُوں مَیں
کبھی اِک صدائے درا ہوں مَیں، کسی اشکبار کی بات ہُوں
مَیں جھکوں تو دنیا ہو سرنگوں، مَیں اُٹھوں تو اُٹھتی ہے موجِ خوں
مَیں خرد کے بھیس میں ہوں جنوں، کہ مَیں رقصِ دار کی بات ہُوں
میری ایک آہ کے منتظر، کھڑے بے کسی میں ہیں بام و در
سرِ شام چاہوں تو ہو سحر، مَیں فلک سوار کی بات ہُوں!

میرا نام زینتِ داستاں، مَیں کسی کے حُسن کا پاسباں
مَیں کسی کی بزم کا ہوں نشاں، مَیں دیارِ یار کی بات ہُوں

مَیں جلاؤں دیپ قدم قدم، میرا سر جُھکا ہے جنم جنم!
مَیں صنم پرست کبھی صنم، کسی یارِ غار کی بات ہُوں

مَیں فنا کی راہ سے دُور ہوں مَیں بقائے شوق ضرور ہُوں
مَیں مئے فراق سے چُور ہوں، مَیں بڑے خمار کی بات ہُوں

مَیں کہ شاہبازِ قدیم ہوں، مَیں نشانِ عزمِ صمیم ہُوں!
مَیں شہیدِ جلوۂ میم ہوں، کسی "ریگ زار" کی بات ہُوں!

مَیں خبر کے دام کا دام ہوں، مَیں خرد کدے کا امام ہُوں
مَیں علیؑ ولی کا غلام ہوں اُسی تاجدار کی بات ہُوں

میرا نام واصفِ باصفا ——— میرا پیر سیدِ مرتضےٰ
میرا ورد احمدِ مجتبےٰ مَیں سدا بہار کی بات ہُوں

بندہ و بندہ نواز

بنا چار تنکوں کا آشیاں کہ تڑپ تڑپ اُٹھیں بجلیاں
تیری شانِ بندہ نواز کو، مَیں سمجھ گیا میرے مہرباں

تیرے جلوہ ہائے قدیم کو مرے دل سے ہے بڑا واسطہ
مَیں ترا خیال نہیں اگر تو کہاں اَلَستُ بلیٰ کہاں

مَیں تری نماز ادا کروں، تُو ہو محوِ ذکرِ حبیبؐ میں
مجھے مل گئیں تیری نکہتیں، مجھے مل گیا تیرا آستاں

ترا وصل عینِ فراق ہے، ترا ہجر عینِ وصال ہے
تیری راہ میں جو نکل پڑے تو مٹا خیالِ چنیں چناں

مَیں ہوں ایک جذبۂ بیکراں، میرے پاس رہتی ہیں بجلیاں
تیرا اِک نشیمنِ ذات کیا، مَیں جلاؤں دہر کا ھر نشاں
مرے جلوہ ہائے قدیم کو ترے دِل سے ہَے یہی واسطہ
کہ مَیں خود الست۔ مَیں خود بلیٰ، کہ جبیں مری مرا آستاں
مَیں نہاں ہوں اپنی ہی ذات میں، مَیں عیاں ہوں اپنی صفات میں
مَیں نہاں کو گاہے عیاں کروں، مَیں عیاں کو گاہے کروں نہاں
جسے چاہوں تخت عطا کروں، جسے چاہوں بخت رسا کروں
جسے چاہوں مستِ ولا کروں، میرا اِذن آیۂ کُن فکاں!
مَیں ہوں دِل، مَیں دلبرِ دلبری۔ مری ہر اَدا میں ہے سروری
مَیں نہ چشتی ہوں نہ میں قادری، کہ مَیں ہر جگہ ہوں نہیں کہاں
میری شان عالی مقام ہَے، مرے میکدے کو دوام ہَے
کہ ہر ایک رند غلام ہَے، میری عظمتوں کے ہیں یہ نشاں!
مَیں فلک پہ رکھتا ہوں لامکاں، ہَے زمیں پہ کعبہ مرا مکاں
مَیں بشر کے دِل میں ہوں ہر زماں، ہَے نشاں یہی میرا جاوداں
میں نہ طُور ہوں نہ کلیم ہوں، مَیں تو ایک رازِ قدیم ہوں
مَیں جہاں میں جلوۂ میم ہوں، کہ مَیں اپنے نور کا پاسباں

مرے شرق، غرب، جنوب سب، ہوتے زیرِ ہستی یک قُطب
مَیں حدوث میں ہوں نہ اب نہ جب، ہے ورائے عقل مرا جہاں
مَیں علیم ہوں مَیں بصیر ہوں، مَیں معین ہوں میں نصیر ہوں
مَیں چھپوں کہاں کہ خبیر ہوں، ہے نظام میرا ہی الاماں!
ہیں صنم مرے مَیں صنم شکن، ہَے صنم کی مجھ کو بڑی لگن!
میرا بانکپن ہے، مری پھبن، مَیں ہری ہری نہ مَیں ست گُراں
مَیں نمازِ شاہِ شہید ہوں، مَیں اُسی کا حاصلِ دید ہوں،
مَیں نگارِ حُسنِ فرید ہوں، مَیں اَدائے مَستِ قلندراں
مَیں بقائے خود میں بقا ہُوا، کہ مَیں نُورِ ارض و سما ہُوا
مَیں ہی سِرِّ ہر دو سرا ہُوا، میرا راز جانے گا تُو کہاں!

تُو کہاں ہے واصفِ بے خبر، مرے در پہ جُھکتے ہیں بحر و بر!
ہے بڑی کٹھن مری رہگذر، تُو سنبھل کے رکھنا قدم یہاں

یومِ شوکتِ اسلام

اے خوشا یومِ شوکتِ اسلام
مرحبا کاروانِ جوشِ دوام!
انبساطِ جنوں ہے مرگِ خرد
رہروِ شوق کو بقائے دوام!
موجِ ایماں تڑپ تڑپ اُٹھی
فرش تو فرش عرش زیرِ دام!
قصرِ احمر پہ ہے یہ ضربِ کلیم
لا الٰہ کی صدا درود و سلام
"خیرِ اُمت" کی عظمتوں کی قسم!
حق و باطل میں اختلاط حرام

دینِ تقسیم میں ٹاٹ کا پیوند؟
خام اذہان کا خیالِ خام!
آج گونجے فضاؤں میں تکبیر
مُنہ کے بَل آ گریں نئے اصنام
نظریاتی حدود پر حملہ؟
جارحیّت کا ہے یہی اِقدام
یجاھدوا فی سبیلِ ربِّ علیٰ
ربِّ کعبہ کا دین ہے اسلام
گامزن ہو گیا سوادِ عظیم
منزلِ شوق خود کرے گی سلام
جوشِ پیہم یقینِ مستحکم،
للہ الحمد آج ہے ہر گام
فتحِ اسلام کی بشارت ہے
سُن صدائے شکستِ شیشہ و جام
فخرِ انسانیت ہے۔ دینِ نبیؐ
اور ہم ڈھونڈنے چلے ہیں نظام

جان دے کر لی ہے آزادی !
کون ہے اشتراکیت کا غلام
دین دے کر جو دولتِ دُنیا
مل بھی جائے اگر مرے کس کام
مِلّتِ محتشم کی شوکت سے
ہے عیاں آج شوکتِ اسلام
منفعل ہو گئی خرد واصف !
منتج ہو گیا ہے عزمِ عوام !

وطن کا مجاہد

السّلام اے عظمتِ شانِ وطن !
السّلام اے وارثِ دینِ کُہن !
السّلام اے شاہبازِ آسماں !
السّلام اے لرزۂ زاغ و زغن !
السّلام اے بازوئے مولا علیؑ ،
السّلام اے دستِ حق، باطل شکن
السّلام اے مستیٔ ذوقِ یقیں
السّلام اے قوّتِ شاہِ زمن !
السّلام اے پاسبانِ حُرّیت
السّلام اے نکتہ دانِ بت شکن
السّلام اے دینِ یزداں کے امیں
السّلام اے انفعالِ اہرمن !
السّلام اے نعرۂ اَللہ ھو
السّلام اے نُورِ ایماں کی کرن

السلام اے جذبۂ ذوقِ جہاد
السلام اے غازیٔ دنداں شکن
السلام اے شعلۂ القارعہ
السلام اے طاقتِ خیبر شکن
السلام اے سرفروش و سرخرو
السلام اے سرفرازی کی لگن!
السلام اے آبِ شمشیرِ علیؑ!
السلام اے جاں نثارِ پنجتن
السلام اے پاک دامانوں کی آن
السلام اے خون آلودہ کفن!
السلام اے امتیازِ خیر و شر!
السلام اے حق کے ماتھے کی شکن
السلام اے مدعائے لا الٰہ،
السلام اے جانِ من جانانِ من!

السلام اے قلبِ مومن کے جلال
کیوں نہ ہو واصف ترا سارا وطن!

میں کون ہوں بادل ہوں

مَیں جھوم کے اُٹھا ہوں
تڑپا ہوں کہ گرجا ہوں
ہر کھیت پہ برسا ہوں
مَیں کون ہوں بادل ہوں

ہے زُلف گھٹا میری
ہے برق اُدا میری
ہستی ہے ردا میری
مَیں کون ہوں بادل ہوں

مَیں دُور سے آیا ہوں
مَیں دہر پہ چھایا ہوں
رحمان کا سایا ہوں
مَیں کون ہوں بادل ہوں

مَیں پی کے سمندر کو
لے آیا ہوں گوھر کو
سمٹے ہوئے جوہر کو
مَیں کون ہوں بادل ہوں!

مَیں حاملِ ہستی ہوں
مَیں باعثِ ہستی ہوں
افلاک کی بستی ہوں
مَیں کون ہوں بادل ہوں!

مَیں جام ہوں مَیں ساقی
فانی ہوں نہ مَیں باقی
منزل مری آفاقی
مَیں کون ہوں بادل ہوں

پھیلوں تو قیامت ہوں
سمٹوں تو ندامت ہوں
مَیں سوزِ محبت ہوں
مَیں کون ہوں بادل ہوں

پھولوں کی قبا مجھ سے
مَیں اُس سے صبا مجھ سے
ہو پوچھتے کیا مجھ سے
مَیں کون ہوں بادل ہوں!

سرمد کی ادا لایا — !
منصور کا دِل پایا!
سرمایہ گراں مایا!
مَیں کون ہوں بادل ہوں!

گہ عرش نشیں ہونا
گہ زیرِ زمیں ہونا
ہونا ہے کہیں ہونا
مَیں کون ہوں بادل ہوں!

ہر سمت کو جاتا ہوں
ہر رنگ میں آتا ہوں
روتا ہوں رُلاتا ہوں
مَیں کون ہوں بادل ہوں

مستی میں اگر آؤں !
میخانے بسا جاؤں
خود رو کے رُلا جاؤں
مَیں کون ہوں بادل ہوں
طوفان ہوں ساحل ہوں
رستہ ہوں کہ منزل ہوں
مَیں واصفِ بادل ہوں
مَیں کون ہوں بادل ہوں

مُسافر

فروزاں انجمن سے جا رہا ہوں
شبِ تاریک سے گھبرا رہا ہوں
مُجھے اِک سانس نے گُل کر دیا ہے
مَیں طوفانوں میں بھی جلتا رہا ہوں
ادھوری داستانِ زندگی کو !
سکوتِ مرگ میں دُہرا رہا ہوں
بدن کی چار دیواری کے اندر،
مَیں اپنی روح چنواتا رہا ہوں !
ہر اِک انسان سے تھا پیار مُجھ کو
مَیں ہر انسان سے ڈرتا رہا ہوں
جہاں پتھر برستے تھے وہاں بھی،
مثالِ آئینہ رہتا رہا ہوں !
مَیں دریا کی جواں موجوں کے اندر
نہ پُوچھو کس قدر پیاسا رہا ہوں

بزنگِ قطرۂ شبنم گلوں پر !
کمالِ ضبط سے ٹھہرا رہا ہوں !
نگاہوں کے چھلکتے ساغروں کو ،
مَیں اِک دیوانگی کہتا رہا ہوں !
چمن کی بے زباں کلیوں کے دل میں
مَیں دھڑکن کی طرح سہما رہا ہوں
گلوں کے چاک بھی دیکھے ہیں مَیں نے
مَیں کانٹوں سے بھی وابستہ رہا ہوں !
بچھا کرتی تھیں جو رستے میں میرے
مَیں اُن نظروں سے بھی گزرتا رہا ہوں
جفا پرور ہیولوں سے ہمیشہ ،
وفا کے تذکرے سُنتا رہا ہوں
مَیں ہر ہمراہ سے دامن بچا کر !
اکیلے راستہ چلتا رہا ہوں !
سفر درپیش تھا صحرا کا مجھ کو ،
مَیں اپنے سائے سے بچتا رہا ہوں

نگاہوں کی صدائیں بھی سُنی ہیں ،
دلوں کا حال بھی پاتا رہا ہوں
مجھے سُورج سے بھی نسبت رہی ہے
مَیں کرنوں کی طرح بکھرا رہا ہوں
فلک سے ٹوٹنے والے ستارے
مَیں خاکِ راہ سے چُنتا رہا ہوں
کسی غم کا بنا ہوں مَیں نوالہ !
کسی غم کو مَیں خود کھاتا رہا ہوں
جنہیں مَیں نے کبھی اپنا نہ سمجھا ،
انہیں مَیں یاد بھی کرتا رہا ہوں !
سبب پُوچھو نہ اِس بیگانگی کا !
نہ پُوچھو کِس لیے تنہا رہا ہوں
مجھے فطرت نے بخشی چشمِ بینا ،
مَیں رنگوں کی صدا سُنتا رہا ہوں !
کسی دل کی بُجھا کر آگ وا اَسَف !
مَیں اپنی آگ میں جلتا رہا ہوں !

راتیں

جہاد کا تصوّراتی خاکہ

شرحِ واللیل ہیں گیسوئے معنبر راتیں،
نُصرتِ دینِ محمدؐ کی پیمبر راتیں
ایسی راتوں میں بنا کرتی ہے تاریخِ اُمم
لَا اِلٰہ کہہ کے اُبھرتی ہیں اُفق پر راتیں
ایسی راتوں کے اندھیروں کو اُجالوں کا سلام
نورِ ایمان و یقیں سے ہیں منوّر راتیں!
ایسی راتوں میں چلا کرتی ہے شمشیرِ علیؓ
خونِ کُفّار سے تر ہوتی ہیں خود سر راتیں
ایسی راتوں میں ملا کرتا ہے منزل کا سلام
شبِ اسریٰ کی قسم دن سے ہیں بہتر راتیں
ایسی راتوں میں شیاطین کے سر کٹتے ہیں
صفِ اعداء کو اُلٹ دیتی ہیں خنجر راتیں

پیڑ چُپ چاپ، مکاں بند، فضائیں ساکت
ہار ستاروں نے گوندھے ہیں پرو کر راتیں
محوِ حیرت ہے فلک اور زمیں ہے خاموش
خرمنِ کفر پہ اُتری ہیں یہ اخگر راتیں
ایک مُدّت سے نگہ ڈھونڈ رہی تھی اِن کو
آج آئی ہیں بہت دُور سے چل کر راتیں
ایسی راتوں میں قریبِ رگِ جاں ہے کوئی
شانۂ دل پہ پریشاں ہیں بکھر کر راتیں
صف شکن شیر جوانوں کی جوانی کی قسم،
دیکھنے آئی ہیں اسلام کا لشکر راتیں
ذرّے ذرّے کے جگر سے یہ صدا آتی ہے
اوڑھ کر آئی ہیں تطہیر کی چادر راتیں!
جام و مینا لیے آتی ہیں شہیدوں کے لیے
مئے خونناب کے پردے میں ہیں کوثر راتیں
میرے شہباز مجاہد میرے جانباز جواں،
مُسکراتی ہیں ترے دیکھ کے تیور راتیں!

تو اکیلا نہیں میدان میں بیدار کہ آج
ہم بھی کرتے ہیں بسر پھینک کے بستر راتیں
باعثِ شکر کہ افلاک سے چل کر آئیں!
اپنے بازو میں لیے قوتِ حیدر راتیں
یا علیؑ کہہ کے جھپٹنا ہے صفِ اعدا پر!
کاٹنے آئی ہیں کفار کے شہپر راتیں
حشر تک یاد کرے گا انہیں کافر دشمن
اپنے پہلو میں لیے بیٹھی ہیں محشر راتیں!
صبح لائے گی ابھی فتحِ مبیں کا مژدہ
آئی ہیں نور پہ ہونے کو نچھاور راتیں!
چشمِ بینا سے ٹپکتے ہیں جو آنسو واصف
انہی اشکوں کو بنا جاتی ہیں گوہر راتیں!

"جنون و خرد"

خرد کا اصل یہی ہے کہ ہے رجیم و لعین
جنوں کا اصل ہے مشکل کشا، امیر و معین
جنوں کہے نہ انا الحق تو پھر جنوں کیسا!
خرد یزید، جنوں سیدِ امامِ مبیں
"خرد کے پاس خبر کے سوا نہیں کچھ اور"
جنوں مگر ہے، دو عالم کا راز دار و امیں

خرد حدوث میں پابند، حادث و فانی

جنوں قدیم ہے قائم ہے صورتِ آئین

خرد کے پاس ہے انبارِ دولتِ دُنیا

جنوں کے پاس فقط آہ و نالہ، نانِ جویں

خرد کا زور جماعت کے دست و بازو پر

جنوں کے پاس بڑا راز ہے کہ خاک نشیں

خرد کے دل میں ہے کھٹکا غریب ہونے کا

جنوں کو درد کی دولت سے مل گئی تسکیں

خرد بتائے کہ کعبہ ہے کس لیے غم پوش

جنوں بتاتے کہ ہے کون اس مکاں کا مکیں

خرد نہ جانے کہ کعبہ ہے خود امامِ جہاں!

جنوں کی راہ سیاہ پوش ہے غمِ مسکیںؑ

خرد ہے قابلِ اصلاح مائلِ ترمیم

جنوں کو ضد ہے کہ اس کو نہ کیجیے تلقیں

خرد ہوتی ہے پریشاں کہ آگ روشن ہے

جنوں خلیلؑ ہے بارد، سلامتی پہ یقیں

خرد نے پایا ہے تسخیرِ کائنات کا راز،

جنوں بلند، فنا و بقا بھی زیرِ نگیں!

خرد خلاؤں کو بے آس چل پڑی لیکن،

جنوں کے پاؤں کے نیچے ہے جوہرِ تسکیں

خرد کو رازِ انا الحق پہ بر، ہمی جائز

جنوں یسبّح للہ کے راز کا ہے امیں

خرد کے لب پہ تو ہے لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ!

جنوں یہ کہتا ہے دل اس کا ہم زبان نہیں

خرد کا جامہ ہے رنگین اور قبا عالی،

جنوں کے جسم پہ کاغذ کا پیرہن بھی نہیں

خرد کی بات نہ تھی جب ملا وطن ہم کو

جنوں ہُوا تھا مہاجر وطن سے دُور کہیں

خرد کی چال تھی تقسیم، خون کی گویا!

جنوں تھا جذبہ ایثار میں سراپا یقیں

خرد نے قافلے لُوٹے تو بن گئی تاریخ

جنوں کا حرفِ شکایت بھی ہم کو یاد نہیں

خرد سے کام نہ لو، لَاَاِلٰہ کے متوالو
جنوں کو کام میں لاؤ مزید وقت نہیں

خرد سنبھالتی پھرتی ہے چار تنکوں کو
جنوں ہے برقِ تپاں چھوڑے راکھ تک بھی نہیں

خرد کے علم میں ہو گا کہ در پہ دشمن ہے
جنوں بھی خوب سمجھتا ہے کارِ دشمنِ دیں

خرد کی دُنیا متاعِ الغرور ہے بے شک
جنوں کا گُرز بنے گا خرد کا یومُ الدّیں

خرد جنوں کے نشیب و فراز کیا جانے
جنوں کے اپنے ہیں افلاک اس کی اپنی زمیں

خرد نے کر دیا اقبال کو حرم بیزار
جنوں نے مردِ قلندر کو کر دیا شاہیں

خرد بیرسٹر و سر ڈاکٹر اُبو جا دید!
جنوں ہے نالۂ شب گیر فقر گوشہ نشیں

خرد نے خوب پڑھے ہیں علوم شرق و غرب
جنوں بغیر مگر صورتِ قرار نہیں!

خرد نے بات نہ بدلی تو کیا خرد مندی
جنوں کو جُنبشِ مژگاں کبھی گوارا نہیں

خرد کے سجدے سوئے کعبۂ ہمہ دانی
جنوں کا کعبہ ہے کعبے کا کعبہ یارِ حسیں

خرد گھمنڈ، تفاخر، غرور کی بستی
جنوں کے پنجے سے ہے چاک جامۂ تمکیں

خرد بنامِ خدا کھا رہی ہے نذرانے!
جنوں ہے دشمنِ ہر خرقہ پوش و رہزنِ دیں

خرد نے سمجھا ہے تقسیم کا سوال جسے
جنوں سے ضربِ یداللّٰہی ہو نہ چیں بہ چیں

خرد خیال سے پائی ہے بد دماغوں نے،
جنوں ہے فیضِ نظر، بے نظر، ملے نہ کہیں

خرد کا راج پرتھوی کا راج ہے گویا!
جنوں ہے غورؔی جنوں خواجۂ معینُ الدّیں

خرد ہے دیکھ کے حیراں جنوں کی لاٹ بلند
جنوں ہے کشتۂ تسلیم خواجہ قطبُ الدّیں

خرد کی بستی اجودھن کی راجدھانی ہے
جنوں پاک پتن ہے جنوں فریدُ الدیں
خرد نے دیکھا جنوں کا جمالِ شاہانہ!
جنوں ہے خسروؒ جنوں خواجۂ نظامُ الدیں!
خرد ہے کیدؔ خرد کا مزاج پرویزی
جنوں کا نام کہیں ہیر ہے کہیں شیریں
خرد کے دام میں آیا فرنگیوں کا جہاں،
جنوں کو ڈھونڈنے نکلے ہیں پا سکیں جو کہیں
خرد زباں سے کرے رام رام یا ٹیں ٹیں!
جنوں کلیم ہے ظاہر میں گو زبان نہیں!
خرد کے بعد بنا ہے جمالِ تبریزی
جنوں سے قبل تھا رومیؒ فقط جلالُ الدیںؒ
خرد سے پُوچھ نہ افسانۂ غمِ شبیرؓ!
جنوں شہید، شہادت جنوں بغیر نہیں!
خرد کے بھیس میں آنے کو ہے خرِ دجّال!
جنوں امامِ جہاں، آرہا ہے دیر نہیں

خرد کے پُرزے اُڑیں گے وجودِ امکاں میں
جنوں کے حکم سے باہر نہیں مکان و مکیں

خرد کو ہونا ہے رُسوائے ہر جہاں واصف
جنوں کی صُبحِ درخشاں، جنوں کی شام حسیں

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم ہیں لوح و قلم
بے اجازت کس کی ہمت ہے اُٹھائے اک قدم

خرد کی موت بنی ہے جنوں کا پہلا قدم
خرد حدیثِ خوشی ہے جنوں فسانۂ غم
جنوں کو ایک ہی ضد ہے کہ غم رہے ہر دم
خرد کو حُسنِ طلب، ہر ستم ادائے کرم

خرد صحرا کی ہستی ہے جنوں قلزم کی مستی ہے
جنوں گنجِ گرانمایہ خرد کی بات سستی ہے
خرد ڈوبی تفکّر میں جنوں افکار کی جنبش!
جنوں حکمت کا موتی ہے خرد جس کو ترستی ہے

دُور کی آواز

آ رہی ہے یہ دُور سے آواز
بن کے آئینہ دیکھ رنگِ طلسم
کوئی صورت ہے اور نہ کوئی جسم
ایک آہٹ ہے ایک سایہ ہے
کوئی احساس بن کے آیا ہے!

مَیں کہاں ہوں، مجھے نہیں معلوم
مَیں نہ موجود ہوں نہ ہوں معدوم
پھیلتا ہوں کبھی سمٹتا ہوں
بام و در سے کبھی پلٹتا ہوں

گاہ قلزم ہوں گاہ قطرہ ہوں
گاہ ذرّہ ہوں گاہ صحرا ہوں
مُجھ سے ملنے کو منزلیں بے تاب
اٹھ رہے ہیں مری نظر سے حجاب

حاصلِ زیست اشکباری ہے
عُمر رو رو کے ہی گذاری ہے
مُجھ کو اُلفت نہیں کسی سے مگر!
میری نظریں ہیں سارے چہروں پر
زد میں ہوتے ہیں گاہ یہ افلاک!
گاہ میں دم بخود ہوں مثلِ خاک
جھومتا ہوں مَیں جوش میں آ کر
پائے ساقی کو ڈھونڈتا ہے سر!
سرمدی مے کے جام پیتا ہوں،
روز مرتا ہوں روز جیتا ہوں!

گاہ پربت بھی چل کے آیا ہے
میرا سایہ کبھی پرایا ہے!
میرے احساس میں ہے طغیانی
میرے انکار میں ہے جولانی!

بند کلیوں کو ٹوٹتے دیکھا
یہ شگوفہ بھی پھوٹتے دیکھا!
مَیں نے مُرجھاتے پھول دیکھے ہیں
مُسکراتے ببول دیکھے ہیں!
برق کو آشیاں میں پایا ہے
چار تنکوں کو خود جلایا ہے
وجد میں آ گئے ہیں زاغ و زغن
کرگسوں کو ہوئی چمن کی لگن
اب عنادل چمن میں بے کل ہیں
وحشتوں کے اُمڈتے بادل ہیں

آج گلشن میں سب لٹیرے ہیں
گھات میں چار سو اندھیرے ہیں

ذوقِ سجدہ نہیں جبینوں میں
نورِ ایماں نہیں ہے سینوں میں!

جل رہے ہیں چراغ مدّھم سے
ٹمٹمانے لگے ہیں اب غم سے

اَب بہاریں کہاں خزاں نہ رہی
جل گئی شاخِ آشیاں نہ رہی

گل و لالہ و نرگس و سَوسَن!
چاک ہیں آج سب کے پیراہن

سرو قامت بھی سرنگوں ہے آج
درد پہلے سے کچھ فزوں ہے آج

کبک و قمری و عندلیب، چکور
آج گُم سُم ہیں جیسے تختۂ گور!

ہم نے سینچا لہو سے جو گُلشن
حسرتوں کا وہ بن گیا مدفن!

سب کو ہے اقتدار کی خواہش
ایک، دو کیا، ہزار کی خواہش

حاکمِ وقت جو بھی آتا ہے!
خواہشِ ذات ساتھ لاتا ہے

یہی کہتا ہے، ہر غرض کا غلام
بھاڑ میں جائے مملکت کا نظام

جو بھی ہوتا ہے آج ہونے دو
بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے دو!

کون سمجھے گا مری چالوں کو،
بھول جاؤ گے باکمالوں کو!

جھوٹا سکّہ بھی میرا چلتا ہے
صبحدم بھی چراغ جلتا ہے

راج دھانی میں راج ہے میرا
تخت میرا ہے، تاج ہے میرا

میرے جھنڈے ہوا میں لہرائے
میری ہیبت کے چھا گئے سائے

میری دُنیا، غرور کی دُنیا
کیف و مستی، سرُور کی دُنیا!
میری دُنیا میں تذکرہ میرا،
میری دُنیا ہے نفس کا ڈیرا!
میری دُنیا میں کیا نہیں ہوتا
کاٹتا وہ ہے جو نہیں بوتا!
مجھ کو اسلام سے محبت ہے
مے پرستی سے بھی تو رغبت ہے
میری دُنیا خرد کی عیّاری!
اَب سیاست بنی ہے مکّاری!
یہ زمیں ہو گئی ہے میرے نام
آسماں تک چلے گا مرا نظام
تھی یہ مُدت سے آرزو میری
لائی منزل پہ جستجو میری!
کوئی فردا نہ کوئی ماضی ہے۔
حال کی سب کرشمہ سازی ہے

ہر ستارے کا رہگذار الگ!
تیرے میرے ہوئے مزار الگ

سُن رہا ہُوں مَیں دُور کی آواز

میرے اشکوں میں ہے ضیائے سحر
چشم تر کر گئی ہے، دیدہ ور
رنگ بدلے گا اب زمانے کا
وقت باقی نہیں فسانے کا!
منفعل ہے خرد خدا رکھے
اَب جنوں کا مزا ذرا چکھے!
اب فسانے کا ہے نیا عنواں
ایک شعلے کا منتظر ہے جہاں!
ہے ابھی وقت ہوش گر آتے
بازی بگڑی ہوئی سنور جائے
جانتا ہوں کہ بے نیاز ہے تُو،
مجھ کو کیا فکر کارساز ہے تُو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تُو جو چاہے تو زندگی آئے !
ورنہ خرمن ہی برق ہو جائے !
تیری رحمت کا انتظار کروں
کس طرح اپنا بیڑا پار کروں ؟

تُو سمیع و بصیر ہے مولا !
تُو معین و نصیر ہے مولا
تُو اگر چاہے بات بن جائے
ورنہ ہاتھوں سے یہ چمن جائے

اس چمن پر ذرا نگاہِ کرم !
سر کو کرتا ہوں تیرے نام پہ خم
مرحبا حُسنِ شانِ یکتائی ۔
تو تماشا ہے یا تماشائی !

کیا نہ آئے گی اب ضیائے سحر
کیا بھٹکتا رہے گا ذوقِ سفر
ایک آہٹ کا منتظر ہوں میں
اور ہر شے سے بے خبر ہوں میں

سُن رہا ہوں مَیں دُور کی آواز

یہ خرد کی ہے جلوہ آرائی
ہم کو آزادی راس کب آئی ؟
جاگتے ہیں خرد کے میخانے
سو رہے ہیں جنوں کے کاشانے

کتنی سادہ ہے ملتِ بیضا
عقل پر پڑ چکا ہے پردہ سا !
یہ ہے اسلامی مملکت بھائی
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کیوں حقیقت بنی ہے افسانہ
کوئی اپنا رہا نہ بیگانہ !
بوعلیؒ ہے نہ آج ہے شہبازؒ !
کوئی ملتا نہیں مرا ہمراز !

بزمِ اغیار تک رسائی ہے
چشمِ بینا تری دہائی ہے !

رُخ سے پردہ اُٹھا کہ وقت آیا
اپنا جلوہ دِکھا کہ وقت آیا !
خود فریبی ہے یا خود آگاہی
ڈھونڈتا ہے تجھے تیرا راہی
صحنِ گلشن میں آ برنگِ بہار
ہوں وہی سبزہ و گل و اشجار
واسطہ تجھ کو تیری عظمت کا
سطوت و ہیبت و جلالت کا
چھین غاصب کے ہاتھ سے نعمت
ہم غریبوں کی بن کے آ قسمت
اپنے بندوں کو باخبر کر دے
دھڑکنیں دل کی تیز تر کر دے
تجھ سے تیری نظر کو مانگا ہے
آہ نے اب اثر کو مانگا ہے

بے نیازِ وجود، نورِ قدیم
تو غنی و رؤف وانیِ لئیم
تجھ کو زیبا ہے بے نیازی مگر
اپنے بندوں پہ ہو کرم کی نظر
واسطہ عاجزی کا دیتا ہوں
بے بسی بے کسی کا دیتا ہوں !
آج اِک بات لب پہ آئی ہے
کیا یہی رسمِ آشنائی ہے !
اِس جسارت پہ ہو نہ تو برہم
تجھ کو گیسوئے مصطفٰے کی قسم !
جانِ عالم ذرا قریب تو آ ،
دیکھنے خانۂ غریب تو آ !
رُخ پہ پردہ گرانے والے آ
مجھ کو اپنا بنانے والے آ !
گرم آنسو تجھے بلاتے ہیں !
ہم چراغِ وفا جلاتے ہیں

آ غریبوں کا دل کشادہ ہے
جانِ جاں بول کیا ارادہ ہے ؟
تجھ سے ملنے کی آرزو بھی ہے
اپنا انجام رُوبرو بھی ہے
تیرے گلشن میں رنگ و بو مجھ سے
تیرے صحرا کی آبرو مجھ سے !
غم زدہ کائنات میں تنہا ،
گُم ہوں مَیں تیری ذات میں تنہا
دمِ عیسے ہے ایک نعرۂ ہُو
مَیں فقط مَیں ہوں اور تُو ہے تُو
تُو نے بخشا مجھے بڑا اعزاز
تُو نے مجھ کو بنا لیا ہمراز !
کیا بتاؤں تجھے بتا نہ سکوں
پانا چاہوں تجھے تو پا نہ سکوں
تُو حقیقت بھی ہے گماں بھی ہے
تُو عیاں بھی ہے، تُو نہاں بھی ہے

دار تیرا ہے یار تیرا ہے
عشق باقی رہا سو میرا ہے
تیرے ہی فن کا شاہکار ہوں مَیں
تُو ہے مخفی تو آشکار ہوں مَیں !
اپنی ہستی میں گو مَیں خاکی ہوں
ہوں تو مٹی مگر بَلا کی ہوں !
نام میرا ہی اشکِ فُرقت ہے
دور رہ کر بھی تجھ سے قُربت ہے
کون ہے تُو بھلا کہاں ہے تُو
ماورائے حدوث ہاں ہے تُو
تُو نے بخشا ہے مجھ کو قلبِ سلیم
کیوں نہ ہو تیرا فیصلہ تسلیم !
تو میرے پاس کب نہیں ہوتا
کُشتہ مَیں بے سبب نہیں ہوتا
پھر بھی مجھ سے تُو ہم کلام نہیں
کہ ربِّ اَرِنی مرا مقام نہیں

"نَحنُ اقرب" نظر سے دُور نہیں
انکساری ہے یہ غرور نہیں

میرے سر پر ترا ہی سایا ہے
تُو نے مجھ کو بہت رُلایا ہے!

دلِ مہجور کی دُعا سُن لے
اپنے بندے کی اِلتجا سُن لے!

سرنگوں ہو نہ جائے آنِ وطن!
کس لیے چپ ہیں پاسبانِ وطن؟

وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا، !
تجھ سے ملنے کا اِک بہانہ تھا!

یہ وطن تیرے نام پر تھا بنا
جانِ عالم تجھے بھی یاد ہے کیا؟

بات کل کی ہے کب پُرانی ہے
اِک حقیقت تھی اب کہانی ہے

یہ حقیقت تھی اِعتبار کی حد
جذبۂ لاالٰہ پیار کی حد

دِلّی، اجمیر چھوڑ آئے ہیں
آج ہم لوگ ہی پرائے ہیں

مَوج در مَوج قافلے آئے،
نام تیرا فقط بچا لائے!

جان و عزت کے ساتھ مال گیا
دلِ مہجور ہنس کے ٹال گیا

اب غریب الدّیار گھر میں ہیں!
منزلیں آج بھی سفر میں ہیں

کیا کریں ہم بتا کہاں جائیں.
ہم جہاں سے چلے، وہاں جائیں

میرے غم خانۂ خیال میں آ
حُسنِ کامل ذرا جلال میں آ

آ بھی جا اِس غریب خانے میں
عمر گزرے نہ آزمانے میں!
آج ہم اشک بار بیٹھے ہیں
محوِ صد اِنتظار بیٹھے ہیں!
ہو چکا جو ہوا، ہوا سو ہُوا!
اَب مگر ہے مزاج بدلا ہُوا!
چاہتا ہوں کہ رازِ افشا ہو!
تیرا ہلکا سا گر اشارہ ہو
گر اجازت ملے کروں اعلان
کانپ جائیں گے جس سے یہ ایوان

کہہ رہی ہے یہ دُور کی آواز

آج اِن ناخداؤں سے کہنا
جھوٹے اِن پارساؤں سے کہنا
رُخ ہواؤں کا اب بدلتا ہے
آنے والا کِسی سے ٹلتا ہے؟

ٹوٹنے کو خرد کا ہے افسوں
چاند تاروں پہ ہے کمندِ جنوں!
شیشہ و جام اب نہیں درکار
آنے والا ہے کوئی جانِ بہار
ہے شہیدوں کی سرزمیں یہ وطن
اب سلامت رہے گا یہ گلشن
اس وطن پر نگاہ ہے اُس کی
یہ زمیں جلوہ گاہ ہے اُس کی!
دین کو جس نے نُورِ عین دیا!
یعنی اپنا جگر حسینؑ دیا!

سُن رہا ہوں مَیں دُور کی آواز

اِک نیا معرکہ بپا ہوگا!
کیا بتاؤں مَیں اور کیا ہوگا!
اب جنوں ناظمِ چمن ہوگا!
چاکِ داماں مکر دفن ہوگا!

راہبر ایک دیدہ ور ہوگا
رازِ پنہاں سے باخبر ہوگا
بن کے ابرِ بہار آئے گا
دافعِ انتظار آئے گا ، !
رنگ آ کر فضا میں بھر دے گا
جتنے مشکل ہیں کام کر دے گا !
پھر نہ ہوگی یہ روز کی تقسیم!
ہو سکے گی نہ دین میں ترمیم!

آنے والے کمال کے دن ہیں
عظمتِ ذوالجلال کے دن ہیں

بحضورِ اقبالؒ

السلام اے ملتِ اسلامیہ کے جاں نثار
السلام اے پیرِ رومیؒ کے مُریدِ باوقار
وہ تصوّر جو تجھے رکھتا تھا پیہم بے قرار
اس تصوّر کا کیا ہے جس نے دامن تار تار
رنگ و بُو میں اُڑ گئی ہے اُس چمن کی آبرو
جس چمن میں تھی ترے نغمات سے فصلِ بہار
آرزو کا مدّعا کیا تھا ؟ شکستِ آرزو ؟
کارواں کو کیا ہُوا حاصل بجز گردِ غُبار
کس کی غفلت سے شکستہ ہو گئے جام و سبو
میکدے کا میکدہ کیوں ہو گیا ہے سوگوار
آہ اے اقبال تو واقف نہ تھا اس راز سے
اس وطن کے راہبر تجھ کو کریں گے شرمسار

لَا اِلٰہ کے دم سے تھا میرے وطن کا اتحاد
لَا اِلٰہ کو چھوڑنے کا ہے نتیجہ انتشار!

اے خودی کے رازداں فریاد ہے فریاد ہے
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تیرا انوکھا شاہکار!

اے شریکِ زُمرۂ لَا یَحزَنُون تو ہی بتا،
نوجوانانِ چمن کیوں ہو گئے ہیں اشکبار

اِفتخارِ ملک و ملّت شاعرِ اِسلام سُن!
یاد کرتے ہیں تجھے لاہور کے لیل و نہار

شمعِ آزادی جو تیری فکر سے روشن ہوئی
عزمِ تازہ مانگتی ہے حُریّت کی یادگار

کیا کہے واصف کہ یہ اقبال کا پیغام ہے
ہوشیار اہلِ جنوں، اہلِ خرد سے ہوشیار

قائدِ اعظمؒ

آ دیکھ ذرا رنگِ چمن قائدِ اعظمؒ — بے رنگ ہوئے سرو و سمن قائدِ اعظمؒ
تنظیم و اخوت ہے نہ اب عزم و یقیں ہے — ہم بھول گئے عہدِ کُہن قائدِ اعظمؒ
گلشن کی تباہی کا سماں پیشِ نظر ہے — اُڑتے ہیں یہاں زاغ و زغن قائدِ اعظمؒ
بخشا تھا جسے تُو نے اُجالوں کا لبادہ — اُس قوم نے اوڑھا ہے کفن قائدِ اعظمؒ
پاکیزہ سیاست نہ امامت رہی باقی — دنیا بھی ہے فن دین بھی فن قائدِ اعظمؒ
شاہیں کیلئے موت ہے کرگس کی غلامی — ہے زار و زبوں ارضِ وطن قائدِ اعظمؒ

وہ رنگ دکھاتے ہیں نئے شیشہ گروں نے — پردیس بنا اپنا وطن قائدِ اعظمؒ
تو نے ہمیں بخشی تھی جو آزادی کی دولت — ہم نصف لٹا کر ہیں مگن قائدِ اعظمؒ
یہ زخم بھرے گا تو عدو کے ہی لہو سے — زخمی ہیں عساکر کے بدن قائدِ اعظمؒ
کیا تجھ سے کریں گردشِ افلاک کا شکوہ — کھانے لگی سورج کو کرن قائدِ اعظمؒ
اشکوں کا تلاطم ہے یہاں میرے چمن میں — اُجڑے ہیں وہاں گنگ و جمن قائدِ اعظمؒ

اصنام پرستوں کے لیے صبحِ مسرّت؟
واصفؔ کے لیے رنج و محن قائدِ اعظمؒ

دُعا

الٰہی واسطہ رحمت کا تجھ کو
الٰہی واسطہ وُسعت کا تجھ کو
الٰہی واسطہ عظمت کا تجھ کو
الٰہی واسطہ قوّت کا تجھ کو
الٰہی واسطہ شوکت کا تجھ کو
الٰہی واسطہ عزّت کا تجھ کو

خطائیں بخش دے ساری الٰہی
مصیبت سر پہ ہے بھاری الٰہی
ہر اک سینے میں دل گھبرا رہا ہے
کہ شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے !
اخوت ہو رہی ہے پارا پارا
سہارا دے سہارا دے سہارا
خطاؤں سے ہماری درگزر کر !
علاجِ سوزشِ داغِ جگر کر !
حوادث پر حوادث آ رہے ہیں
کیے پر اپنے ، ہم پچھتا رہے ہیں
جو خامی ہے ہماری دُور فرما ،
دعاؤں میں اثر دے میرے مولا !
وطن کی جان ہی پر بن گئی ہے ،
بڑی دولت تھی ہاتھوں سے لُٹی ہے
چُھٹا اُمید کا ہاتھوں سے دامن
جلی کچھ اس طرح سے شاخِ گلشن

بلائے ناگہاں نازل ہوئی ہے
ہر اک سینے میں جاں بے کل ہوئی ہے
زمانے بھر میں ہم رُسوا ہوتے ہیں
ہمارے تذکرے کیا کیا ہوتے ہیں
ہُوئی ہے کُفر کی یلغار ہم پر
ہماری کیوں چلی تلوار ہم پر
قیامت ہے قیامت آ گئی ہے
نگہ افکار کی پتھرا گئی ہے
کہیں اقصیٰ کا ماتم ہو رہا ہے
کہیں حصّہ بدن کو رو رہا ہے
کہیں اخبار کی سرخی جمی ہے !
کہیں دوشیزگی لُوٹی گئی ہے !
کوئی بچہ کہیں اغوا ہوا ہے !
مرے مولا ہمیں کیا ہو گیا ہے
کہیں گھر کو جلایا جا رہا ہے ،
کہیں بھائی کو بھائی کھا رہا ہے !

وطن میں گُل کھلاتے جا رہے ہیں
نئے عنوان لاتے جا رہے ہیں
کوئی تخریب کا پیغام بر ہے
کوئی دشمن کا منظورِ نظر ہے!
کسی کو غیر سے امداد آئی!
دہائی ہے دہائی ہے دہائی!
محافظ دین کے پیرانِ جعلی!
لبادے اوڑھ کر بیٹھے ہیں خالی!
غریبوں کی کمائی کھا رہے ہیں!
توکل کا بیاں فرما رہے ہیں!
نہ راہی ہیں نہ رستہ آشنا ہیں
بزعمِ خویش پکے رہنما ہیں
مگر ہے رحم کے قابل مسلماں
کہ تیرا نام لیوا ہے یہ ناداں!
مسلماں کو مٹایا جا رہا ہے!
نگہباں کو سلایا جا رہا ہے!

گِلہ شکوہ نہیں یہ اِلتجا ہے،
مُسلمانوں سے کیوں ناراض سا ہے
الٰہی یا الٰہی یا الٰہی!
ہوئے محبوس کیوں تیرے سپاہی!
مُسلماں کو عطا کر سرفرازی!
کہ غازی لے کے آئیں اپنے غازی
مسلماں کو بنا سچا مُسلماں!
بنے اَب غیب ہی سے کوئی ساماں
مسلماں سے مُسلماں دُور کیوں ہے
ہر اِک اپنی جگہ مجبُور کیوں ہے!
مُسلماں کا لہو ارزاں ہُوا ہے!
چمن توحید کا ویراں ہُوا ہے
ترے محبُوب کی محبُوب اُمّت
زمانے میں ہوئی غرقِ ندامت!
مُسلماں کو عطا کر زورِ حیدر،
صفِ دُشمن کو تُو زیر و زبر کر!

بچا ملّت کو تُو اپنے کرم سے ،
کریمانہ نظر مت پھیر ہم سے !
کہ تیرے ہی کرم کا آسرا ہے
وگرنہ پاس اپنے اور کیا ہے !
خدایا بس تری رحمت ہے درکار
ہمیں معلوم ہے ہم ہیں گنہگار !
فقط اِک آسرا باقی ہے تیرا ،
وگرنہ چار سو چھایا اندھیرا
گناہوں نے دُعائیں چھین لی ہیں
خطائیں کچھ زیادہ ہم نے کی ہیں !
مگر رحمت تری حاوی غضب پر
کرم کر یا الٰہی اور سب پر !
خُدایا اپنی رحمت عام کر دے
بہت بگڑا ہُوا ہے کام کر دے
کرم کی اِک نظر ہو جانِ عالم ،
سوالی ہیں ترے باچشمِ پُرنم !

تجھے سب اولیاء کا واسطہ ہے
شہیدِ کربلا کا واسطہ ہے !
علیؑ المرتضیٰ کا واسطہ ہے !
محمدؐ مصطفیٰ کا واسطہ ہے !
مرے منعم کر اب حاجت روائی ،
مرے ہادی بس اب ہو رہنمائی
ہٹا دے سب کی رغبت ماسوا سے
محبّت ہو تو محبوبِ خُدا سے
کہ عاصی ہیں ترے دَر کے سوالی
کوئی کاسہ نہ اب رہ جائے خالی
بھروسہ غیر کا ہم سے اُٹھا لے
ہمارا بن ہمیں اپنا بنا لے !
ترے در پر نگوں ہر اِک جبیں ہو
فروزاں قلب میں شمعِ یقیں ہو !
نبیؐ کی آل کا خادم بنا دے ،
مسلمانوں کو سیدھی رہ دکھا دے

ہے تیری ذات حاوی ہر جہاں پر
زمانوں پر زمیں پر آسماں پر

ترے اسمائے حسنیٰ کا سہارا
وگرنہ کون ہے اپنا ہمارا

حکومت چاہتے ہیں ہم اِلٰہ کی
غلامی مانگتے ہیں مصطفےٰؐ کی!

صحابہؓ کی عقیدت مانگتے ہیں
غنا، صدق و عدالت مانگتے ہیں

شجاعت اور دستِ مرتضیٰؓ کی
یہی ہے آرزو اپنی دُعا کی

تو اپنے دوستوں کو حکم فرما
کہ ہو جائیں اِکٹھے سارے یکجا

وطن تقسیم پھر ہونے نہ پائے،
کہیں یہ شمع ہی گُل ہو نہ جائے

عطا کر اپنے سب مخفی خزانے
کہ ہوں آباد اُجڑے آشیانے!

مریضوں کو مرے مولا شفا دے
غریبوں کو کشائش یا خُدا دے

تجھے ہے واسطہ تیری طلب کا،
بنا دے اپنا ذاکر قلب سب کا

اسیروں کو مرے مولا رہا کر!
کریمانہ نظر میرے خُدا کر!

الٰہی بخش دے سب کی خطا کو،!
قبولیت ملے میری دعا کو!

سخن در سخن
(غزلیں)

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تُو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی !

(اقبالؒ)

رِدائے شب سے وَرا آفتاب تھے کتنے
ہماری اپنی نظر پر حجاب تھے کتنے !

یہ دیکھنے کو مَیں بڑھتا رہا گناہ کی سمت
کہ عاصیوں پہ کرم بے حساب تھے کتنے

اِک آسمان مری گود میں تھا ہجر کی شب
قدم قدم پہ درخشاں شہاب تھے کتنے

سحر کے وقت فضاؤں سے تیرگی نہ گئی
عروسِ صُبح کے رُخ پر نقاب تھے کتنے

جنُوں کی ایک ہی جنبش سے چھٹ گئے بادل
خِرد کی تیرہ فضا میں سحاب تھے کتنے

کہاں تھا دشتِ طلب حُسنِ زندگی سے تہی!
خلوص و مہر و وفا کے سراب تھے کتنے

کھُلی جو آنکھ پسِ مرگ تو یہ راز کھُلا ، !
کہ ایک خواب کے عالم میں خواب تھے کتنے

ظاہر میں گرچہ جسم مرا بے خراش ہے
احساس کا وجود مگر قاش قاش ہے

تیری نظر ہے مطلعِ انوارِ صبح پر،
میری نظر میں ڈوبتے سورج کی لاش ہے

آواز دے کے آپ تو خاموش ہو گئے
میرے لہو میں اب بھی وہی ارتعاش ہے

ٹھہرے سمندروں کی طرح تم ہو بے طلب
آبِ رواں ہوں، مجھ کو تمہاری تلاش ہے

سنگِ خزاں سے دستِ صبا نے لیا ہے کام!
آئینۂ جمالِ چمن پاش پاش ہے

انسانیت کی موت ہے وہ دَورِ اقتدار
جس دَور میں "صحیفۂ فطرت" تراش ہے

واصفؔ یہ کس مقام پہ لایا مجھے جنوں!
اب اُن کی جستجو ہے نہ اپنی تلاش ہے

گردِ سفر میں قافلہ ملّت کا اَٹ گیا
یہ سانحہ بساطِ یقیں کو اُلٹ گیا

ہم اپنے آپ میں ہی تجھے ڈھونڈتے رہے
تیرے مسافروں کا سفر گھر میں کٹ گیا!

تھا اِک عذابِ فکرِ نشیمن مرے لیے
مرہونِ برق ہوں کہ یہ قصّہ نمٹ گیا!

کچھ اِس طرح سے مجھ کو ملی دادِ تشنگی!
میرے قریب آ کے سمندر سمٹ گیا!

ہے میری عاجزی کو ہر اک دَور میں ثبات
اور آپ کا غرور، غبارہ تھا پھٹ گیا

پہلا قدم ہی عشق میں ہے آخری قدم
محرومِ عشق ہے جو ارادے سے ہٹ گیا

دَورِ خرد میں تیرگی کتنی فضا میں تھی!
واصفؔ جنوں کے دَور میں ماحول چھٹ گیا

گلہ نہیں ہے اگر مَیں تری نظر میں نہیں
ستارہ کوئی بھی اِس وقت اپنے گھر میں نہیں

تری طرح مری دُنیا میں اِختیار کِسے
مری طرح کوئی بے بس ترے نگر میں نہیں

کیا ہے فکرِ نشیمن سے برق نے آزاد
خدا کا شکر کہ اَب مَیں کسی خطر میں نہیں

اَب احتساب کسی کا کوئی کرے کیسے
بھنور ہے کشتی میں، کشتی کسی بھنور میں نہیں

کوئی امیر ہو اپنی بلا سے، کوئی غریب
سوال آتا ہے کیوں فرق خیر و شر میں نہیں

اس ارتقا کا نہ جانے زوال کیا ہو گا
بشر کی کوئی صفت آج کے بشر میں نہیں

چلے ہو ساتھ تو ہمّت نہ ہارنا واصف
کہ منزلوں کا تصوّر میرے سفر میں نہیں

رازِ دل آشکار آنکھوں میں
حشر کا انتظار آنکھوں میں

وُہ بھی ہو گا کسی کا نُورِ نظر
جو کھٹکتا ہے خار آنکھوں میں!

لے کے اپنی نگاہ میں قلزم
آ مری ریگ زار آنکھوں میں

کچھ بگولے سے رقص کرتے ہیں
کچھ گریباں کے تار آنکھوں میں

رہ گئی کان میں صدائے جرس
کارواں کا غبار آنکھوں میں!

چھوڑ کر چل دیا ہے عہدِ جنوں!
اِک حسیں یادگار، آنکھوں میں!

ابرِ رحمت مری نظر سے گزرا!
جل رہے ہیں چنار آنکھوں میں!
مجھ کو جو کچھ ملا، مری قسمت،
تو ہے کیوں شرمسار آنکھوں میں
رات کیسے بسر ہوئی واصفؔ!
دن کو ہے کیوں خمار آنکھوں میں!

آنکھ برسی تو بے بہا برسی!
جیسے برسات میں گھٹا برسی
زندگی میں مرا خیال نہ تھا
بعد مرنے کے آبِ مُنا برسی!
دامنِ گُل پہ گوہرِ شبنم
ہو گئی جس کی چشمِ وا، برسی
آسمانوں سے نُور برستا تھا
آسمانوں پہ خاک ، برسی
مجھ میں تجھ میں یہ فرق تھا واصفؔ
آنکھ میری، تری قبا برسی!

ہر شام گرچہ آئی نظر حوصلہ شکن
ہر صبح نے دیا ہے مجھے عزم کوہکن
کیا گُل کھلا گئی ہے صبا صحنِ باغ میں
شاخیں ہیں سر بریدہ، شگوفے دریدہ تن
انجام تھا نوشتۂ دیوار کی طرح !
آغاز ہی سے ٹوٹ رہا تھا مرا بدن
ایسے میں روشنی کی تمنا سے زندگی
جب آفتاب سے ہو گریزاں کرن کرن
ڈھلتا رہا خیال مرا حرف و صوت میں
تحلیلِ جاں کے بعد ملا گوہرِ سخن
دیوانگی کے بعد ملی مجھ کو آگہی !
میرے جنوں نے مجھ کو دیا اذنِ پیرہن
واصف جہانِ فکر کی تنہائیاں نہ پُوچھ !
اہلِ قلم کے واسطے خلوت بھی انجمن

جو لوگ سمندر میں بھی رہ کر رہے پیاسے
اِک ابر کا ٹکڑا انہیں کیا دے گا دلاسے
مانا کہ ضروری ہے نگہبانی خودی کی !
بڑھ جائے نہ انسان مگر اپنی قبا سے
برسوں کی مسافت میں وہ طے ہو نہیں سکتے
جو فاصلے ہوتے ہیں نگاہوں میں ذرا سے
تُو عون کا طالب تھا تری پیاس بُجھی ہے،
مَیں پاتا رہا نشو و نما، آب و ہوا سے !
مجھ کو تو مرے اپنے ہی دل سے ہے شکایت
دُنیا سے گلہ کوئی نہ شکوہ ہے خُدا سے
ڈر ہے کہ مجھے آپ بھی گمراہ کریں گے !
آتے ہیں نظر آپ بھی کچھ راہنما سے
دم بھر میں زمیں بوس وہ ہو جاتی ہے واصف
تعمیر نکل جاتی ہے جو اپنی بِنا سے !

رستے میں اِک شجر ہے زمیں پر پڑا ہوا
سایہ مگر ہے اپنی اَنا پر اَڑا ہُوا !

دیدہ وردوں نے اُس کو بنایا امیرِ شہر
تھا جس کی چشمِ کور میں پتھر جڑا ہُوا

کِس کِس سے تعزیت کا فریضہ ادا کروں
ہر آدمی کے سر پہ ہے کتبہ گڑا ہُوا

توڑے گا کون وقت کے ظالم جمود کو
اہلِ ہنر کے لب پہ ہے تالا پڑا ہُوا

قاتل بھی یار تھے مرے مقتول بھی عزیز
واصفؔ میں اپنے آپ میں نادم بڑا ہُوا

ہر چہرے میں آتی ہے نظر یار کی صُورت
احباب کی صورت ہو کہ اغیار کی صُورت

سینے میں اگر سوز سلامت ہو تو خود ہی !
اشعار میں ڈھل جاتی ہے افکار کی صُورت

جس آنکھ نے دیکھا تجھے اس آنکھ کو دیکھوں
ہے اس کے سوا کیا تیرے دیدار کی صُورت

پہچان لیا تجھ کو تری شیشہ گری سے !
آتی ہے نظر فن سے ہی فنکار کی صُورت

اشکوں نے بیاں کر ہی دیا رازِ تمنّا،
ہم سوچ رہے تھے ابھی اظہار کی صُورت

اس خاک میں پوشیدہ ہیں ہر رنگ کے خاکے
مٹی سے نکلتے ہیں جو گلزار کی صُورت

دل ہاتھ پہ رکھّا ہے کوئی ہے جو خریدے ؟
دیکھوں تو ذرا میں بھی خریدار کی صُورت !

صُورت میری آنکھوں میں سمائے گی نہ کوئی !
نظروں میں بسی رہتی ہے سرکار کی صُورت
واصف کو سرِدار پکارا ہے کسی نے
انکار کی صُورت ہے نہ اقرار کی صُورت

مَیں ہر اک موج کے ہمراہ بکھرنے والا
تُو مجھے دیکھ کے اُس پار اترنے والا،
آج آسیب کی مانند ڈراتا ہے مجھے
وہ جو کل تک تھا مرے سائے سے ڈرنے والا
اپنے چہرے میں دِکھا جاتا ہے کتنے چہرے
اجنبی بن کے نگاہوں سے گزرنے والا
آج اِک درد کی تصویر بنا بیٹھا ہے
رنگ افکار کی تصویر میں بھرنے والا !

کوئی شکوہ نہ شکایت رہے باقی واصف
آنکھ اِک بار ملائے تو مکرنے والا !

چھوڑ کر جا نہ مجھے رنگِ مدارات سمجھ
میرے سائے کو مری طرح مری ذات سمجھ

میرے الفاظ کی ترتیب پہ برہم کیوں ہے
میرے الفاظ میں پوشیدہ ہے جذبات سمجھ

محتسب جھوٹے گواہوں کی گواہی پہ نہ جا
غور سے دیکھ مجھے صورتِ حالات سمجھ

اپنے شاداب حسیں چہرے پہ مغرور نہ ہو
زرد چہروں پہ جو لکھے ہیں سوالات سمجھ

شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے کا پیغام بھی سُن
جھومتی گاتی بہاروں کی مکافات سمجھ

چھوڑ اب کوئے تمنا سے گزرنے کا خیال
کہہ رہی ہے تجھے کیا گردشِ حالات سمجھ

کوئی درویش، خدامست، قلندر، واصف
آ گیا تیرے مقابل تو وہیں مات سمجھ

ہر انسان یہی کہتا ہے۔ دیکھو تو اب کیا ہوتا ہے
رستے میں دیوار کھڑی ہے، اتنا تو سب کو دِکھتا ہے

چاروں سمت اندھیرا پھیلا، ایسے میں کیا رستہ سُوجھے
پربت سر پر ٹوٹ رہے ہیں، پاؤں میں دریا بہتا ہے

میری سندرتا کے گہنے چھین کے وہ کہتا ہے مجھ سے
وہ انسان بہت اچھا ہے جو ہر حال میں خوش رہتا ہے

اِک چہرے سے پیار کروں میں، اِک سے خوف لگے ہے مجھ کو
اِک چہرہ اِک آئینہ ہے، اِک چہرہ پتھر لگتا ہے

مَیں تقدیر زمانے بھر کی، ہر انسان مقدر میرا
جرم کسی کا چلتے چلتے میرے ہی سر آ پڑتا ہے

کتنے جلووں سے گزرا ہوں، کتنے منظر دیکھے میں نے
اب بھی آنکھ سے اُوجھل ہے وہ جو میرے دل میں رہتا ہے

دھوپ اور چھاؤں سے بنتا ہے ہستی کا افسانہ واصف
بڑھ جاتے ہیں وہم کے سائے، عزم کا سورج جب ڈھلتا ہے

لب پہ آکر رہ گئی ہے عرضِ حال — کیا کرے خورشید سے ذرہ سوال
عشق کیا ہے آرزوئے قربِ حُسن — حُسن کیا ہے عشق کا حُسنِ خیال
اس زمانے میں سکوں کی آرزو! — اس زمانے میں سکوں مِلنا محال
چارہ گر اپنی مسیحائی کو چھوڑ — اُن سے ملنے کی کوئی صُورت نکال
دِل لگی جس کو سمجھ بیٹھے ہو تم! — یہ کسی کی زندگی کا ہے سوال!
تنگدستی اور ان کی آرزو! — اِک قیامت ہے وبال اندر وبال
پھر وہی میں ہوں وہی اُنکی طلب — پھر کسی طوفان کا ہے احتمال!
وقت کی آواز پر چلنا دُرست — وقت کو آواز دینا ہے کمال

ڈھل نہیں سکتے کبھی واصف علی
شعر کے سانچے میں انکے خدّوخال

یہ روشنی ہے مانگی ہوئی آفتاب سے
ڈرتا ہوں اِس لیے میں شبِ ماہتاب سے

رحمت نے تیری مجھ کو گلے سے لگا لیا
مَیں ڈر رہا تھا ورنہ حساب وکتاب سے

مَیں بھی سوال کرکے بڑا منفعل ہُوا،
نادم ہوئے ہیں آپ بھی اپنے جواب سے

ذوقِ نظر ملے تو تماشا ہے کائنات
ہر ذرّے میں چھُپے ہیں کئی آفتاب سے

پہلے تُو اپنے آپ کو اِک آئینہ بنا
وہ خود نکل کے آئیں گے اپنے نقاب سے

کیا فرض ہر نفس رہے آسودۂ بہار
آتی ہے بُوئے خون بھی بُوئے گلاب سے

کِس کے لہو سے دامنِ تقدیسِ محتسب
رنگین تر ہے، صورتِ صہبائے ناب سے

کیا بدگمانیاں تھیں حقائق کے ضمن میں،
کتنی توقعات تھیں وابستہ خواب سے
گُلہائے رنگ رنگ کا مسکن ہے یہ زمیں
نسبت ہے خاک کو بھی شۂ بوتراب سے
جس ذات پر نزولِ کلامِ مجید ہو
وہ ذات کم نہیں ہے مقدس کتاب سے
اس دَورِ پُرفریب میں واصفؔ وفا کہاں
دُنیا نکل چکی ہے وفا کے سراب سے

کب رات کٹے کب ہو سحر کہہ نہیں سکتے
کب ہوگا دعاؤں میں اثر کہہ نہیں سکتے
چلتے ہیں تو رستہ ہمیں رستہ نہیں دیتا
ہے طرفہ ستم گھر کو بھی گھر کہہ نہیں سکتے
لے جائے گی کس سمت ہوا کچھ نہیں معلوم
کس دیس میں اب ہوگی بسر کہہ نہیں سکتے
جس ذات سے منسوب کئے بیٹھے ہیں خود کو
اُس کو بھی ہے کچھ اس کی خبر کہہ نہیں سکتے
واصفؔ ہے یہی ہر کس و ناکس کی زباں پر
ہم جانتے سب کچھ ہیں مگر کہہ نہیں سکتے

کل تک جو کر رہے تھے بڑے حوصلے کی بات
ہے اُن کے لب پہ آج کٹھن مرحلے کی بات

جس کارواں کے سامنے تارے نگوں رہے
صحرا میں اُڑ گئی ہے اُسی قافلے کی بات

آخر سرِ غرور نے سجدہ کیا اسے
یُوں مختصر ہوئی ہے بڑے فاصلے کی بات

راہِ طلب میں ہم سے کوئی بھُول ہو گئی
کیوں کر رہے ہیں آپ ہمارے صِلے کی بات

ہم نے تو عرض کر ہی دیا حرفِ مدعا
اب آپ ہی کریں گے کسی فیصلے کی بات

اُن کی تلاش اصل میں اپنی تلاش ہے
کِس سلسلے سے جا ملی کِس سلسلے کی بات!

واصفؔ دیارِ عشق میں لازم ہے خامشی!
مر کر بھی لب پہ آئے نہ ہرگز گِلے کی بات

تُو فیصلۂ ترکِ ملاقات میں گم ہے
بندہ تیری دیرینہ عنایات میں گُم ہے

ہم منزلِ بے نام کے راہی ہیں ازل سے
تو تذکرۂ حُسنِ مقامات میں گُم ہے

شادابیٔ گُلشن کو بیاباں نہ بنا دے
وہ شعلۂ بے تاب جو برسات میں گُم ہے

"ہے گردشِ دوراں کا، عناں گیر قلندر"
گُم کردہ روایات، مگر ذات میں گُم ہے

منزل ہے بہت دُور مگر حُسنِ تقرّب!
واصفؔ ترے قدموں کے نشانات میں گُم ہے

کیا جلتی ہوئی ریت پہ ہم ڈھونڈ رہے ہیں
صحرا میں ترا نقشِ قدم ڈھونڈ رہے ہیں!

دیرینہ عنایات ہی کچھ کم تو نہیں تھیں
وہ اور ہی اندازِ ستم ڈھونڈ رہے ہیں!

یہ ہم ہیں تو وہ کون ہے وہ ہم ہیں تو یہ کون
کچھ اور ہی آئینے میں ہم ڈھونڈ رہے ہیں

ہوتا ہے کبھی شوق بھی اس راہ میں حائل
ہم یار کو با دیدۂ نم ڈھونڈ رہے ہیں!

جس دن سے شناسائی ہوئی آپ کے غم سے؛
اس دن سے مجھے سینکڑوں غم ڈھونڈ رہے ہیں

سہمی ہوئی ویران گزرگاہِ نظر میں
آ جا کہ تجھے آج بھی ہم ڈھونڈ رہے ہیں!

واصفؔ ہمیں کیا واسطہ ہے جام و سبو سے
میخانے میں ہم شیخِ حرم ڈھونڈ رہے ہیں

سنگِ درِ حبیبؐ ہے اور سر غریب کا!
کس اوج پر ہے آج ستارہ نصیب کا

پھر کس لیے ہے میرے گناہوں کا احتساب
جب واسطہ دیا ہے تمہارے حبیبؐ کا!

راہِ فراق میں بھی رفیقِ سفر رہا،
زخمِ جگر نے کام کیا ہے طبیب کا

منصور ہے نہ کوئی مسیحا نظر میں ہے
کیا بے محل ہے تذکرہ دار و صلیب کا!

رکھتا ہے بے ادب بھی یہاں زعمِ آگہی
یہ حال ہے تو حال نہ پوچھو ادیب کا!

یہ بارگاہِ حسنِ دو عالم نہ ہو کہیں
ہے پاسباں رقیب یہاں کیوں رقیب کا

واصفؔ علی تلاش کرے اب کہاں تجھے!
دوری کو جب ہے تجھ سے تعلق قریب کا

نہ آیا ہوں نہ مَیں لایا گیا ہوں
مَیں حرفِ کُن ہوں فرمایا گیا ہوں

مری اپنی نہیں ہے کوئی صورت !
ہر اک صورت سے بہلایا گیا ہوں !

بہت بدلے مرے انداز لیکن
جہاں کھویا وہیں پایا گیا ہوں !

وجودِ غیر ہو کیسے گوارا ،
تری راہوں میں بے سایا گیا ہوں !

نہ جانے کونسی منزل ہے واصفؔ
جہاں نہلا کے بلوایا گیا ہوں !

تیری نگاہِ لُطف اگر ہمسفر نہ ہو
دشوارئِ حیات کبھی مختصر نہ ہو

اتنا ستم نہ کر کہ نہ ہو لذّتِ ستم
اتنا کرم نہ کر کہ مری چشم۔ تر نہ ہو

یہ بھی دُرست، میرے فسانے ہیں چار سو
یہ بھی بجا۔ کہ آپ کو میری خبر نہ ہو

میری شبِ فراق نے دی مجھ کو یہ دُعا
دامن میں تیرے آہِ سحر ہو، سحر نہ ہو

اس دہر میں عروج کا مِلنا مُحال ہے
ہستی کے ہر زوال پہ جب تک نظر نہ ہو

اُس پر کرے گا کون زمانے میں اعتماد
اپنی نظر میں ہی جو بشر معتبر نہ ہو !

واصفؔ عبث ہے بحث امیر و غریب کی
جب تک عبُور فلسفۂ خیر و شر نہ ہو

کبھی بُلا کے کبھی پاس جا کے دیکھ لیا
فسونِ سوزِ دروں آزما کے دیکھ لیا

بٹھا کے دل میں تمہیں بارہا نماز پڑھی
تمہارے گھر ہی کو کعبہ بنا کے دیکھ لیا

متاعِ زیست بنے تیرے نقشِ پا کی قسم
وہ اشک تُو نے جنہیں مُسکرا کے دیکھ لیا

ترے سِوا تیری اس کائنات میں کیا ہے
جلا کے دیکھ لیا دل بجھا کے دیکھ لیا !

کلیمِ ہوش کو کب تابِ حُسنِ نظارہ
یہ طُورِ دل ہے کہ خود کو جلا کے دیکھ لیا

بنے وہ شبنم و گُل، عندلیب و سرو و سمن
نگاہِ شوق نے آنسو بہا کے دیکھ لیا

نظر ہے شیشہ و ساغر، نظر ہے مے واصف
نظر کا جام نظر کو پلا کے دیکھ لیا !

تنہا سفر میں یا مَیں کسی انجمن میں ہوں
یاروں میں بے وطن ہوں کہ اپنے وطن میں ہوں

ہے شامِ انتظار بھی میری نگاہ میں !
کہنے کو التفات کی پہلی کرن میں ہوں !

دُنیا کا احترام، کہ طالب ہے آپ کی
میرا بھی احترام، کہ اپنی لگن میں ہوں !

اہلِ خرد کے اَب تو گریبان چاک ہیں،
میرے جنوں کی خیر کہ مَیں پیرہن میں ہوں

ہے حرفِ آرزو بھی غلط جس مقام پر،
واصف مَیں اس مقام پہ ذوقِ سخن میں ہوں

تیری طلب میں جاں بلب ہو گیا ہوں مَیں
آنے کا تیرے یوں بھی سبب ہو گیا ہوں مَیں

تُو ہے کہ تجھکو فرصتِ یک گام بھی نہیں
مَیں ہوں کہ تیری راہِ طلب ہو گیا ہوں مَیں

مَیں تیری جستجو میں بڑی دُور آ گیا
تُجھ سے بھی بے نیاز اب ہو گیا ہوں مَیں

گُل کر کے آرزو کے دیئے اپنے ہاتھ سے
خود تیرے انتظار کی شب ہو گیا ہوں مَیں

رہتا ہوں دُور دُور میں تُجھ سے بھی اس لیے
تنہائیوں میں رہ کے عجب ہو گیا ہوں مَیں

سمجھو اگر تو غم ہے مری کائنات میں
دیکھو اگر تو موجِ طرب ہو گیا ہوں مَیں

دشتِ جنوں میں آئے ہیں واصف کے غمگسار
صحرا کی رونقوں کا سبب ہو گیا ہوں مَیں

شام تو شام، صبح بھی ہے رات
جیسے مُفلس کی زندگی ہے رات

رقص کرتے ہیں جب در و دیوار
دِل کے آنگن میں جُھومتی ہے رات

آتے آتے پلٹ گیا سورج !
جاتے جاتے ٹھہر گئی ہے رات

پھر کسی زخم نے زباں کھولی .
پھر دبے پاؤں آ رہی ہے رات

بزمِ ہستی سجا رہی ہے کہیں !
برق بن کر کہیں گِری ہے رات

تیرے دامن میں ڈال کر تارے ،
میرے دامن سے آ لگی ہے رات

کس نے آواز دی مجھے واصف !
مجھ سے یہ راز پوچھتی ہے رات

مَیں اسیرِ رنگ و بُو پابندِ آب و گِل رہا
ذات کا عرفاں مجھے اِس حال میں مشکل رہا

دوستوں نے پھیر لی جب سے نگاہِ التفات
مہرباں ہو کر مرے گھر میں مرا قاتل رہا

کب مری تخریب میں تیرا تغافل تھا شریک
کب تری تعمیر میں میرا لہو شامل رہا

کوئی امدادی نہ آیا ڈوبنے والے کے پاس!
اِک ہجومِ دوستاں یوں تو سرِ ساحل رہا

دِل کے بُجھتے ہی چراغِ انجمن خاموش تھا
دِل جلا جب تک بڑا ہنگامۂ محفل رہا!

قُربتوں کے برف خانوں میں رہا اِک اضطراب
ہجر کے آتش کدوں میں اِک سکوں حاصل رہا

ہمسفر واصف علی - گردِ سفر میں رہ گئے،
مجھ کو احساسِ ندامت یوں سرِ منزل رہا

ملا ہے جو مقدر میں رقم تھا
زہے قسمت مرے حصے میں غم تھا

جبینِ شوق نے یہ راز کھولا!
مرا کعبہ ترا نقشِ قدم تھا!

وہ نادم ہو گئے اپنے ستم پر
ستم یہ بھی تو بالائے ستم تھا!

مری کوتہ نگاہی تھی وگرنہ!
ستم اُن کا تو اِک حُسنِ کرم تھا

جسے تُو رائیگاں سمجھا تھا واصفؔ
وہ آنسو افتخارِ جامِ جم تھا!

پھر تجھے یاد کر رہا ہوں میں
پھر زمانے سے ڈر رہا ہوں میں

عزم راسخ ہے یا فریبِ خودی
منزلوں سے گزر رہا ہوں میں

اُن کی دیوار کا ملے سایہ !
آسماں سے اُتر رہا ہوں میں

بے بسی نے ڈبو دیا ورنہ !
قادرِ خیر و شر رہا ہوں میں!

عمر تاریکیوں میں کاٹی ہے ،
اب اُجالوں سے ڈر رہا ہوں میں

کوئی دامن سمیٹ لے مجھ کو ،
آنسوؤں میں بکھر رہا ہوں میں

کیوں نہ واصفؔ بپا ہو اک محشر !
موت سے پہلے مر رہا ہوں میں

کیا سوچ کے آئے تھے تری بزم میں ہم آج
کیا سوچ کے ہم لوٹے ہیں با دیدۂ نم آج

لو وہ بھی پشیمان ہوئے اپنے ستم پر
لو یہ بھی ستم دیکھو بہ اندازِ کرم آج

ہستی کے فسانے کو جو عنوان ملا ہے
پیشانیِ احساس پہ کرتا ہے رقم آج

مَیں گردشِ دوراں کو سمجھتا ہوں غنیمت
یہ گردشِ دوراں بھی کہیں جائے نہ تھم آج

وہ سر جو سرافرازیِ ملّت کے امیں تھے
وہ سر بھی ہوئے صورتِ حالات سے خم آج

مت پوچھ یقیں ہو گیا مغلوبِ گماں کیوں
مت یاد دلا اپنی محبت کی قسم آج

اِک سجدہ، بنامِ دلِ وارفتہ بھی واصفؔ
دروازۂ میخانہ بنا، بابِ حرم آج !

زندگی سنگِ درِ یار سے آگے نہ بڑھی
عاشقی مطلعِ دیدار سے آگے نہ بڑھی !

تیرگی گیسوئے خمدار سے آگے نہ بڑھی
روشنی تابشِ رُخسار سے آگے نہ بڑھی

دِلبری رونقِ بازار سے آگے نہ بڑھی
سادگی حسرتِ اظہار سے آگے نہ بڑھی !

خود فراموش ترے عرش کو چھو کر آئے ،
خواجگی جُبّہ و دستار سے آگے نہ بڑھی

بس میں ہوتا تو تری بزم سجاتے ہم بھی
بے بسی، سایۂ دیوار سے آگے نہ بڑھی

جلوۂ ذات سے آگے تھی فقط ذات ہی ذات
بندگی رقصِ سرِ دار سے آگے نہ بڑھی

بے خودی دشت و بیاباں سے ورا ہے واصف
آگہی وادئ پُر خار سے آگے نہ بڑھی !

ترے قریب ہوئے جب سے اشکبار ہوئے
ہزار بار کہاں صد ہزار بار ہوئے

تمہاری بزم میں تارے بھی پُر سکوں تھے مگر
یہ اور بات کہ ہم دُور، بے قرار ہوئے

بقا فنا کی فنا ہی بقا کی راہ بنی !
خزاں سے گزرے تو ہم بادِ نو بہار ہوئے

بلا نہ ہم کو اگر سنگِ آستاں کا نشاں
برنگِ موج اُٹھے راہ کا غبار ہوئے

ہُوا تھا حُسن ہی خود مائلِ کرم واصف
وہ اپنی ذات میں مخفی تھے آشکار ہوئے

ہم غریبوں پہ عنایات، خُدا خیر کرے
لب پہ آتے ہیں سوالات، خُدا خیر کرے

حُسن بیرونِ حجابات. خدا خیر کرے
عشق پابندِ روایات. خدا خیر کرے

اِسے کہتے ہیں کسی چیز کا پا کر کھونا
سرِ بازار ملاقات، خُدا خیر کرے!

رُکتے رُکتے بھی قدم اُٹھ گئے منزل کی طرف
بنتے بنتے ہی بنی بات. خدا خیر کرے

بے خبر ہوتا ہے منزل سے وہی جس نے کیا!
دعویٰ کشف و کرامات، خُدا خیر کرے

دار پر ہوتی ہے مسند پہ نہیں ہو سکتی!
گفتگو ذات سے بالذّات، خُدا خیر کرے

یادِ ماضی ہے نہ اندیشۂ فردا واصفؔ!
مٹ گئے سارے نشانات، خدا خیر کرے

دیے ہیں تُو نے زمانے کو بھر کے جام و سبُو
مَیں تشنہ لب ہوں مرے واسطے جگر کا لہو

بھٹک رہا تھا مَیں سُود و زیاں کے صحرا میں
ترے دیار میں لائی مجھے تری خوشبُو، !

جب اپنی آنکھ سے دیکھا تو سب مرے اغیار
تری نگاہ سے دیکھا تو مَیں ہی اپنا عدو

حصارِ وقت کو مَیں توڑ کر نکل نہ سکا!
ترے جمال کا پہرہ لگا رہا ہر سو!

تری تلاش مجھے میرے سامنے لائی،
مَیں آئینے میں جو اُترا تو رُوبرُو تھا تُو!

اِس اِنقلاب کو کہتے ہیں اِرتقائے حیات
کہ مَیں بھی "مَیں" نہیں اَب تُو بھی کب رہا ہے "تُو"!

کلی کی آنکھ کے کھُلنے کی دیر تھی واصفؔ
خُدا کا شکر کیا ہے گلوں نے کر کے وضو!

دوستو ۔ دوستی کا نام نہ لو !
ہو چکی ، دل لگی کا نام نہ لو !

میکدے کے اُصول ہی دیکھو
میکشو تشنگی کا نام نہ لو !

سرفرازی ملی نشیمن کو
برق کی برہمی کا نام نہ لو !

نت نئے گُل کِھلا ہی کرتے ہیں
ایک دل کی کلی کا نام نہ لو !

شہر کی جان ہو جہاں آباد
شہر کی اُس گلی کا نام نہ لو !

بے خبر، زندگی کا کیا شکوہ !
مختصر زندگی کا نام نہ لو !

مار ڈالے گی شاعری واصف !
بھول کر شاعری کا نام نہ لو

زبان ہم ہیں ، ہمہ گوش و گفتگو ہم ہیں
ہم آئینہ ہیں نظر ہم ہیں رو برُو ہم ہیں

ہزار پردوں میں پنہاں ہے گر جمال ترا
تو کیا بہارِ چمن ہم ہیں رنگ و بُو ہم ہیں ؟

لو اپنے سر کو ہتھیلی پہ رکھ لیا ہم نے
تمہاری تیغِ تغافل کی آبرُو ہم ہیں

سکوتِ شب میں درِ میکدہ پہ کون آیا ؟
خطا معاف ہو اے جانِ آرزُو ہم ہیں !

ہمارے چاکِ گریباں کا ذکر کیا واصف
نہ پُوچھ کس لیے بیگانۂ رفو ہم ہیں !

شکوہ تو نہیں، ہستی اگر وقفِ الم ہے!
غمخوار نے منہ پھیر لیا مجھ سے، ستم ہے
خوددار ہوں، خودسر ہوں، یہ سرخم دستِ عمل لیکن
تو سامنے آجائے تو سر آج بھی خم ہے
تقدیر بدل جائے تو حاصل بھی ہے تقدیر،
آغاز کی پیشانی پہ انجام رقم ہے!
یادوں کی گذرگاہ میں اُڑتے ہیں بگولے
سجدوں کا نشاں ہے نہ کوئی نقشِ قدم ہے
انداز قلندر کا نہ بے باک ہو کیونکر!
ہستی کا بھرم اس کی نگاہوں میں عدم ہے
سجدہ ہو، تو میخانے کے دروازے پہ، دل ہے
ساقی کی نظر ہو تو یہی بابِ حرم ہے
ہے بات تعلق کی، تعلق ہو تو واصف!
مائل بہ کرم ہوں یا ستم، اُن کا کرم ہے!

سنبھل جاؤ چمن والو خطر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
جمالِ گُل کے پردے میں شرر ہے ہم نہ کہتے تھے!
لبوں کی تشنگی کو ضبط کا اِک جام کافی ہے
چھلکتا جام زہرِ کارگر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
زمانہ ڈھونڈتا پھرتا ہے جس کو اِک زمانے سے
مُحبّت کی وہ اِک پہلی نظر ہے ہم نہ کہتے تھے!
قیامت آگئی لیکن وہ آتے ہیں نہ آئیں گے
شبِ فرقت کی کب کوئی سحر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
غمِ جاناں غمِ ایّام کے سانچے میں ڈھلتا ہے
کہ اِک غم دوسرے کا چارہ گر ہے ہم نہ کہتے تھے!

تڑپتی، کوندتی تھی برق لہراتی مچلتی تھی!
ہمارے چار تنکوں پر نظر ہے ہم نہ کہتے تھے!
غبارِ راہ میں کھو جائے گا یہ کارواں آخر
کہ رہزن کارواں کا راہبر ہے ہم نہ کہتے تھے!
نشانِ منزلِ مقصود سے آگاہ تھے واصف!
فریبِ آگہی سے کب مفر ہے ہم نہ کہتے تھے!

ہر قدم دل کشی ہے کیا کہیے!
بس تمہاری کمی ہے کیا کہیے!
آنکھ کس سے لڑی ہے کیا کہیے،
جان پر کیوں بنی ہے کیا کہیے!
بزمِ ہستی تو ہم سجا لیتے،
شمعِ محفل بجھی ہے کیا کہیے!
آشیاں کس طرح بنایا تھا
برق کیسے گری ہے کیا کہیے!
وہ بلاتے تو ہیں مجھے لیکن!
کس قدر بے بسی ہے کیا کہیے!
میرے ہی گھر کی چار دیواری!
راہ میں آ کھڑی ہے کیا کہیے!
غمزدہ کائنات میں تنہا!
کون واصف علی ہے کیا کہیے

کس قدر پابند ہے تحریر کی
ہائے مجبوری مری تقدیر کی!

زندگی منے سے پہلے موت تھی!
موت ہی منزل ہے اس تعمیر کی

خود مصور دیدۂ حیراں ہُوا
آنکھ آئینہ بنی تصویر کی!

رُخ بدل جاتا ہے ہر طوفان کا،
بات کیا ہے — نالۂ شب گیر کی!

کس زباں سے اب کہے واصف علی
آپ نے آنے میں کچھ تاخیر کی!

عجب اعجاز ہے تیری نظر کا
کہ ہم بھولے ہیں رستہ اپنے گھر کا

سحر آئی تو یاد آئے وہ تارے
پتہ جن سے ملا ہم کو سحر کا!

چلے ہو چھوڑ کر پہلے قدم پر؟
چلے تھے ساتھ دینے عمر بھر کا!

بہاریں آگئیں جب آپ آتے
دعاؤں نے بھی مُنہ دیکھا اثر کا!

حقیقت کیا فریبِ آگہی ہے؟
نظر بھی ایک دھوکا ہے نظر کا

عدم سے بھی پرے تھی اپنی منزل
سفر انجام تھا اپنے سفر کا!!!

مری آنکھیں ہوئیں نمناک واصف
خیال آیا کسی کی چشمِ تر کا!

اپنی ہستی کو ہم الم سمجھے،
ہاں مگر تیرے غم سے کم سمجھے

ترکِ اُلفت پہ اختیار نہ تھا
ہم ترے ظلم کو کرم سمجھے!

سرفرازی بشر کو ملتی ہے
شرط یہ ہے کہ سر قلم سمجھے

آگہی خود فریب خوردہ ہے
اس حقیقت کو لوگ کم سمجھے

کیا تعلق تھا آپ سے اپنا
آپ سمجھے اِسے نہ ہم سمجھے

زندگی کی ہر ایک اُلجھن کو!
ہم ترے گیسوؤں کا خم سمجھے

اَب خدا سمجھے آپ کو واصف
مجھ سے کیا کہہ رہے ہو "ہم سمجھے"

ذرا زُلفِ برہم کے خم دیکھنا،
تلطف بہ رنگِ ستم دیکھنا!

نہ جانا مجھے دے کے غم دیکھنا
تجھے پڑ نہ جائے اَلم دیکھنا

مجھے یاد ہے وہ قیامت ابھی،
ترا مُڑ کے ہر ہر قدم دیکھنا!

بدل جائے گا تُو بھی میری طرح
وہ کہتے ہیں مجھ سے "ستم" دیکھنا

شکایت نہ کر گردشِ وقت سے
یہ گردش بھی جائے نہ تھم، دیکھنا

نہیں لُطف کا منتظر ایک تُو
ہے دُنیا کو اُن کا کرم دیکھنا!

ترے ایک سجدے سے واصف علی
یہی دَیر ہو گا حرم، دیکھنا!

ستم ہوں گے مگر پیہم نہ ہوں گے
کرم ہوں گے مگر جب ہم نہ ہوں گے

اگر تُو نے ستم سے ہاتھ کھینچا ،
تو کیا ہم آشنائے غم نہ ہوں گے

کہیں تو بجھ نہ جائے شمعِ محفل
پتنگوں کے عزائم کم نہ ہوں گے

ہمارا دم ہے زینت انجمن کی
"ہماری یاد ہو گی ہم نہ ہوں گے"

خُدا کو ہو محبّت جن سے واصف ،
وہ کیسے حُسنِ سرِ عالم نہ ہوں گے

شبِ ہستی کٹی ہے مر مر کے
صُبح آئی خُدا خُدا کر کے !

یہ محلات سنگِ مرمر کے
کیا مقابل ہیں دیدۂ تر کے

چشمِ ساقی پہ اعتماد کیا !
سو گئے سامنے سبو دھر کے !

حشر ہم نے کیا کہ تُو نے بپا،
کس نے چکمے دیتے ہیں محشر کے

تیرگی چھٹ گئی مگر واصف
میہماں ہیں اُجالے دم بھر کے

کب اُڑا لے گئی ہَوا مت پُوچھ
چار تنکوں کا ماجرا مت پُوچھ

انتہا دیکھ، چشمِ عبرت سے
اس فسانے کی ابتدا مت پُوچھ

تُو نے جو کچھ کہا، تجھے معلوم
مَیں نے دُنیا سے کیا سُنا، مت پُوچھ

دے ذرا اپنے حافظے پر زور!
مجھ سے میرا اتا پتہ مت پُوچھ

اپنی تقدیر کی لکیریں پڑھ!
کیا کریں گے وہ فیصلہ مت پُوچھ

پُوچھ مجھ سے رموزِ مرگ و حیات
ہاں مگر حرفِ مدعا، مت پُوچھ

بے گناہی بھی جُرم ہے واصف
اور اِس جُرم کی سزا مت پُوچھ

ترے خیال نے بخشی تھی جو خوشی نہ رہی
گلوں میں رنگ بہاروں میں دلکشی نہ رہی

مری نوشت میں تھی خاکِ بہرجہاں ورنہ
تمہارے فیضِ نظر میں تو کچھ کمی نہ رہی

تم اپنے عہدِ جوانی کو رو رہے ہو مگر!
ہم اپنے حال پہ روتے ہیں زندگی نہ رہی

اسی وثوق سے ہم میکدے میں آئے تھے
تری نگاہ کو دیکھا تو تشنگی نہ رہی!

ہزار کہیئے کہ یہ آگ دل لگی میں لگی!
جب آگ لگ گئی دِل میں تو دل لگی نہ رہی

طلب طلب ہے، مگر دورِ بدنصیب سا ہے
کہ خواجگی تو رہی، بندہ پروری نہ رہی

بڑے یقین سے دیکھی تھی ہم نے صُبحِ اُمید!
قریب پہنچے تو واصف وہ روشنی نہ رہی

جذبات۔ زیرِ گردشِ حالات سو گئے
چھائی گھٹا تو رندِ خرابات سو گئے !

منزل سے دُور جاگتی سوچیں تھیں ذہن میں
منزل پہ آ گئے تو خیالات سو گئے

تاروں نے ہم کو دیکھ کے شبنم سے یہ کہا
یہ بدنصیب وقتِ مناجات سو گئے

کیا دلگداز موسمِ گل کا تھا اِنتظار
فصلِ بہار آئی تو نغمات سو گئے

آنکھوں میں ہم نے کاٹ دی شامِ غمِ فراق
آیا کوئی جو بہرِ ملاقات سو گئے !

اِک خواب کے سوا ہے یہ ہستی تمام خواب
آتی ہے جن کے ذہن میں یہ بات سو گئے

آیا جو وقت معرکۂ حق و کفر کا !
کیوں صاحبانِ کشف و کرامات سو گئے

خالی پڑے ہیں جام۔ کوئی بات کیجئے
رندانِ تشنہ کام۔ کوئی بات کیجئے

توقیرِ میکدہ کا تقاضا ہے میکشو
اب خامشی حرام، کوئی بات کیجئے

محشر کی صبح کا بھی ذرا تذکرہ سہی
گزرے گی کیسے شام، کوئی بات کیجئے!

گزری ہے اُن پہ کیا جو چمن سے بچھڑ گئے
امواجِ خوش خرام، کوئی بات کیجئے !

کیوں ہمسفر ہوئی ہیں مرے ساتھ منزلیں
احبابِ ذی مقام، کوئی بات کیجئے

کچھ دیر مجھ غریب کی محفل میں بیٹھ کر
یارانِ خوش کلام، کوئی بات کیجئے !

واصفؔ نکل ہی آئے گی باتوں سے کوئی بات
ان سے برائے نام، کوئی بات کیجئے !

چمکتے جسم کے صحرا کا اک سراب ہوں میں
کہ اپنے خون کے دریا کا اِک حباب ہوں میں !

مَیں ایک فرد ہوں مجھ سے ہے ملتوں کا ظہور ،
حقیقتوں کو جنم دینے والا خواب ہوں مَیں !

ورق ورق مری نظروں میں کائنات کا ہے
کہ دستِ غیب سے لکھی ہوئی کتاب ہوں مَیں !

کسی نظر میں علامت ہوں خود پسندی کی !
کسی نگاہ میں اِک ذرۂ تراب ہوں مَیں !

درِ عطا پہ ہوں مَیں آخری سوال ، مگر ،
اُسی سوال کا اِک آخری جواب ہوں میں !

طلوعِ صبح کے چہرے پہ روشنی کیسی !
سیاہ شب میں درخشندہ آفتاب ہوں میں !

ہے جستجو بھی مجھے اُس کی اِک زمانے سے
اور اِک زمانے سے واصف کا ہمرکاب ہوں میں

نشاطِ رنگ و بُو سے بے نیازِ آرزو ہو کر
ہم اپنے روبرو آتے تمہارے روبرو ہو کر

ہمارے آنسوؤں میں ہو گیا خونِ جگر شامل
تری محفل سے ہم آتے مگر کیا سرخرو ہو کر

محبت مے ، زمانہ میکدہ ، ہر آدمی میکش
تلاشِ یار میں پھرتے ہیں سب جام و سبو ہو کر

تعجب ہے بہاروں نے خزاں سے دوستی کر لی
چمن کی آبرو ہی لُٹ گئی ہے رنگ و بُو ہو کر

اسی دیوانگی سے ہے نظامِ عاشقی واصف
جنوں کی خُو یہی ہے چاک ہو جائے رفو ہو کر

میں آرزوئے دید کے کس مرحلے میں ہوں
خود آئینہ ہوں یا میں کسی آئینے میں ہوں

رہبر نے کیا فریب دیئے ہیں مجھے نہ پوچھ
منزل پہ ہوں نہ اب میں کسی راستے میں ہوں

اس دم نہیں ہے فرق، صبا و سموم میں
احساس کے لطیف سے اک دائرے میں ہوں

تیرے قریب رہ کے بھی تھا تجھ سے بے خبر
تجھ سے بچھڑ کے بھی میں ترے رابطے میں ہوں

ہر شخص پوچھتا ہے مرا نام کس لیے،
تیری گلی میں آ کے عجب مخمصے میں ہوں

میں کس طرح بیان کروں حرفِ مدعا
جس مرحلے میں کل تھا اسی مرحلے میں ہوں

واصف مجھے ازل سے ملی منزلِ ابد
ہر دور پر محیط ہوں جس زاویے میں ہوں

میرے سر پر جو ٹوٹا تھا
میری قسمت کا تارا تھا

کتنی صدیاں سمٹ رہی تھیں
اک لمحہ جب پھیل رہا تھا

آج میں صحرا میں ہوں پیاسا
کل میں دریا میں ڈوبا تھا

وقت گزر جاتا ہے لیکن!
وقت بہت مشکل گزرا تھا

صرف مجھی سے دور ہے اب وہ
صرف جو میرا کہلاتا تھا

وہ اترا تھا میرے دل میں
میں اس کے دل سے اترا تھا

کوئی پاس نہیں تھا واصف
تنہائی نے زہر دیا تھا!

اپنی محفل میں مجھے بلوا کے دیکھ
یا مری تنہائیوں میں آ کے دیکھ
مَیں تری تاریخ ہوں مجھ کو نہ چھوڑ
بھولنے والے مجھے دُہرا کے دیکھ
کِس طرح ذرّوں کو ملتی ہے ضیاء
تابشِ خورشید سے ٹکرا کے دیکھ
اپنی چیخیں آئینہ خانہ میں سُن
سنگِ وحشت اس کے گھر برسا کے دیکھ
تجھ کو بھی کچھ آگہی مل جائے گی
تُو مری دیوانگی اپنا کے دیکھ!
صورتوں میں سے کوئی صورت نکال
ایک خاکے میں ہزاروں خاکے دیکھ
اس چمن میں کیا ہُوا آصفؔ علی
بند کلیوں کی زباں کھُلوا کے دیکھ

کون کسی کا اس دُنیا میں کس نے پیت نبھائی
اپنی ذات میں گم ہیں سارے کیا پربت کیا رائی
کالا سُورج دیکھ کے کالی رات نے لی انگڑائی
اپنی راہ میں حائل ہو گئی، آنکھوں کی بینائی!
پتّے ٹُوٹ گئے ڈالی سے یہ کیسی رُت آئی۔

مالا کے منکے بکھرے ہیں، دے گئے یار جدائی
اِک چہرے میں لاکھوں چہرے ہر چہرہ ہرجائی!
جھوٹا میلہ، انت اکیلا، جھُوٹی پیت لگائی!
اِک ذرّے میں صحراؤں کی وُسعت آن سمائی
اِک قطرے میں ڈوب کے رہ گئی ساگر کی گہرائی
تجھ بن ساجن میری ہستی میرے کام نہ آئی
بات بنانے سے کیا بنتی، تُو نے بات بنائی
سانس کی آری کاٹ رہی ہے صدیوں کی پہنائی
ہستی کے بہروپ میں آصفؔ موت سندیسہ لائی

میں خود تلاطمِ قلزم ہوں خود ہی دشت کی پیاس
وہ میرے دل میں ہے جس نے مجھے کیا ہے اُداس
مرے شعور کے پنجے نے نوچ ڈالا اُسے !
ازل سے لایا تھا میں جو برہنگی کا لباس !
تلاش دہر کو ہے جس ھما کی مدت سے
تڑپ رہا ہے وہ میری شبِ فراق کے پاس
سوال یہ تو نہیں ہو گی گفتگو کیسے ؟
سوال یہ ہے کہ قائم رہیں گے ہوش و حواس ؟
غمِ زمانہ کے دریا کی رستخیز ، نہ پوچھ
گلوں کے ساتھ بہا لے گیا چمن کی اساس
وہ کون تھا جو مرے ساتھ ہمکلام رہا ؟
جب آس پاس نہ تھا کوئی میرا دردشناس !
وہ مطمئن کہ زیاں جو ہوا ہوا واصف !
مجھے یہ فکر کہ ہو کیسے وا ، درِ احساس

چھپوں کہاں کہ میں ہوں رازِ جوہرِ مستی
کھلوں کہاں کہ میں ہوں زلفِ شانۂ ہستی
قدم قدم پہ ہوا اک جہانِ نو آباد !
اُجاڑ کے ہی رہا دلِ خرد کی ہر بستی
ہمارے چاک ترے پیرہن کی زینت ہیں
غرورِ حسن ، کہ رکھتا ہے ماورا ہستی
سنائی دے نہ تجھے گر صدائے بانگِ جرس
مرا قصور نہیں ہے تری ہی بدمستی

جنوں بنا ہے خرد کا امام پھر واصف
کہ گنج ہائے گراں مایہ شے نہیں سستی !

عیاں تھا جس کی نگاہوں پہ عالمِ اسرار
اسے خبر نہ ہوئی کیا ہوا پسِ دیوار!

کھنڈر کھنڈر جو دفینے تلاش کرتا ہو
وہ کس طرح سے بنے اپنے وقت کا فنکار

مَیں کتنی صدیوں سے اس انتظار میں گُم ہوں
الٰہی اب تو مسیحا کو آسماں سے اُتار

وہاں ہوئی ہے مسخر خلا کی پہنائی!
یہاں دھری ہے ابھی تک مزار پر دستار

یہ کیا غضب کہ مجھے دعوتِ سفر دے کر
کڑکتی دھوپ میں آنکھیں چُرا گئے اشجار

اگر تفاوتِ فکر و عمل رہا قائم!
بدل سکے گا کوئی کیسے وقت کی رفتار

وہ جس نے توڑ دیا جامِ آرزو واصف
اسی کے نام سے منسوب ہیں مرے اشعار

وہ نہیں ملتا جسے مانگا گیا!
ہاتھ آیا وہ جسے چھینا گیا!

بات ہی رہ جائے گی تاریخ میں
ورنہ اس دُنیا میں جو آیا، گیا

وقت نے گردن جھکالی شرم سے
وقت سے کیا فیصلہ مانگا گیا

کوئی صُورت بھی نظر آتی نہیں
کس لیے ہر آئینہ کجلا گیا

دے گیا سورج مرا مجھ کو جمود!
میرا سایا دُور تک چلتا گیا

کیا مری بینائی مجھ سے چھن گئی
یا مرا ماحول ہی پتھرا گیا

اس کی بھی واصف خبر کچھ لیجئے
کوچۂ قاتل میں جو تنہا گیا!

تلاش کرتا رہا دشت میں جسے آہُو
وہ منزلوں کی مہک تھی کہ ذات کی خوشبُو

وہ ایک شخص جو سایا اُتارنے آیا،
مجھی پہ کر کے گیا وہ بہت بڑا جادُو

اگر ہو سامنے انساں کوئی کلیم صفت
سکوت سے بھی نکل آتے بات کا پہلُو

عجب کرامتِ ایثار ہے شگفتنِ گُل
بہار دے گئے گلشن کو رات کے آنسُو

ترا خیال ہے دریا کی ایک موجِ طرب !
مرا خیال ہے قلزم کا سیلِ بے قابُو

یہ انتظار ہے مجھ کو کہ ہُو کے عالم میں
لگا ہی دے کوئی اِک نعرہ ، وقت کا یاہُو

مَیں لکھ رہا ہوں حکایاتِ خونچکاں واصف
ٹپک رہا ہے مری انگلیوں سے دل کا لہو !

وہ جو کردار کا مثالی ہے
اُس نے صُورت مری چُرالی ہے

تُو نے ہر ایک دل کیا زخمی !
مَیں نے ہر ایک سے دُعا لی ہے

تیرا حُسنِ سلوک بھی دیکھا
اپنی جرأت بھی آزما لی ہے

کون مالک ہے اس امانت کا !
تُو نے سینے سے جو لگا لی ہے

کور چشموں کی ہے پذیرائی !
اہلِ بینش کی پائمالی ہے

یہ الگ بات لُٹ گئی عزّت !
قیمتی جان تو بچا لی ہے

شکوہ تقدیر کا عبث واصف
خود نشیمن میں برق پالی ہے

قیامت کس طرح آئی، اسے کوئی نہیں سمجھا
شبِ تاریک رخصت ہو چکی، سورج نہیں نکلا

بڑی محرومیاں لکھی گئیں اُس کے مقدر میں
وہ راہی جو درختوں سے جُدا کر کے گیا سایا

ترے انکار سے ہستی میں خوئے انقلاب آئی
ترے انکار سے گویا جمودِ آرزو ٹوٹا !

پیامِ مرگ آئے گا نویدِ زندگی بن کر !
مرے قد کے برابر آ گیا جس دن مرا بیٹا

چلو اظہارِ غم پر تو ترے ماتھے پہ بل آتے
مگر ضبطِ فغاں پر کیوں تری آنکھوں میں خوں اُترا

تمہاری یاد میں قلمیں لگائی ہیں گلابوں کی
تمہارے نام سے گھر میں لگایا سرو کا بوٹا

کبھی افلاک پر دیکھی گئی ذرّوں کی تابانی
کبھی تاروں کو واصفؔ خاک میں ملتے ہوئے دیکھا

وہ پاس تھا تو مجھے منزلیں دکھاتا تھا
جُدا ہوا تو وہ خود راستے سے بھٹکا تھا

مَیں چل رہا ہوں مگر فاصلے نہیں مٹتے
یہ حادثہ بھی مری زندگی میں ہونا تھا

وہ بھیڑ تھی کہ نظر سے نظر نہ ملتی تھی !
ہجومِ شہر میں ہر آدمی اکیلا تھا !

ترس رہا ہے اب اک بوند کی عنایت کو
وہ آدمی جو سمندر کی تہہ میں رہتا تھا

غلط کہ اُس کے یہاں آگ بھی نہ جلتی تھی
غلط کہ سارا دھواں میرے گھر سے نکلا تھا

چلو کہ گر ہی گئی اپنے بوجھ سے دیوار
چلو کہ صرف اسی بات کا تو جھگڑا تھا

وہ ایک لمحہ جو صدیاں نگل گیا واصفؔ
وہ لمحہ وقت نے خود آستیں میں پالا تھا

بول حرفِ مدعا، تقریر طولانی نہ کر
قیمتی الفاظ کی اتنی بھی ارزانی نہ کر !

بھول جا اب گلہ ہی کے گئے ایام کو
وقت کے عبرت کدے میں اپنی من مانی نہ کر

اپنے مالک سے تعلق کی نئی راہیں بھی ڈھونڈ
صرف سجدوں ہی سے روشن اپنی پیشانی نہ کر

مَیں دھواں ہوں وقت کے روشن الاؤ کی دلیل
فکر کر اُس آگ کا میری نگہبانی نہ کر

وہ جو طوفاں کے تھپیڑے کھا رہا ہے اس سے پوچھ
تُو جو ساحل پر کھڑا ہے ذکرِ طغیانی نہ کر

اپنے رنگیں خول کی دنیا سے باہر بھی نکل
آئینے کے عکس کی اتنی ثنا خوانی نہ کر!

عہدِ فردا کے قصیدے کا بھی ہو کچھ اہتمام !
عہدِ رفتہ ہی کی واصف مرثیہ خوانی نہ کر

رونقِ بزمِ طرب ، یاد نہ کر
زیست کے غم کا سبب، یاد نہ کر

دیکھ اندازِ عطا بھی اُس کا
اپنا اندازِ طلب، یاد نہ کر!

ہم کلامی کی ضرورت بھی سمجھ
صرف دستورِ ادب، یاد نہ کر

کس طرح آئی سحر غور سے دیکھ
کس طرح گذری ہے شب، یاد نہ کر

اس کا پیغام رہے پیشِ نظر
حُسن کی جنبشِ لب، یاد نہ کر

کیا ہوا اُس کی ملاقات کے بعد
وہ ملا تھا تجھے کب ، یاد نہ کر

دیکھ کردار کی جانب واصف
رُتبہ و جاہ و نسب، یاد نہ کر

کرن کرن
(معرّا نظمیں)

شاہد و مشہود

نُورِ مجسّم
خلق سے پہلے
ایک اکائی، واحد، یکتا
اپنی ذات میں تنہا مخفی، گنجینہ تھا
نُور کا ہالا
اپنے آئینے کا باطن
ظاہر ہو کر پھیل گیا ہے
سورج، چاند، ستارے، شبنم

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
(اقبالؒ)

شاہد و مشہود

نُورِ مجسّم
خَلق سے پہلے
ایک اکائی، واحد، یکتا
اپنی ذات میں تنہا مخفی، گنجینہ تھا
نُور کا ہالا
اپنے آئینے کا باطن
ظاہر ہو کر پھیل گیا ہے
سورج، چاند، ستارے، شبنم

موتی، آنسو، روپ انوکھے
حُسنِ مجسّم، خالقِ اعظم کے مظہر ہیں
اس کے پرتو،
جس نے اپنا آپ دکھانے کی خاطر انسان بنایا،
وہ انسان بھی ایک اکائی، اِک نقطہ تھا، پھیلنے والا
پھیل گیا ہے
نقطہ لیکن نقطہ ہی ہے،
جیسے اِک قطرے میں قلزم
قطرے اور قلزم کی وحدت
دریا، جھیلیں، بادل کالے
آنسو آنکھ سے بہنے والے
شبنم کے پاکیزہ گوہر
ہر قطرہ قلزم کا مظہر
قلزم کی گہرائی قلزم
قلزم کی پہنائی قلزم
قلزم کی انگڑائی قلزم

طوفاں قُلزم، موجیں، قلزم
انسانوں کی کثرت — قُلزم
وحدت — آدم
انسانوں کی بھیڑ کے اندر ہر انسان اکیلا ہی ہے
سوچ رہا ہے،
مَیں اِک نقطہ، مَیں اِک قطرہ
مَیں اِک قلزم
پھیل گیا ہوں، بکھر گیا ہوں

اوّل و آخر

دانۂ گندم، گناہِ اوّلیں — دانۂ گندم، سفر سوئے زمیں
دانۂ گندم، بنائے انقلاب — دانۂ گندم، سزاوارِ عذاب
دانۂ گندم، تجسّس، جستجو — دانۂ گندم، جہانِ رنگ و بُو
دانۂ گندم، فسادِ زندگی — دانۂ گندم، جہادِ زندگی !
دانۂ گندم، فسونِ اہرمن — دانۂ گندم، شعورِ تن بدن
دانۂ گندم، مآلِ آشیاں — دانۂ گندم، قرارِ قلب وجاں
دانۂ گندم، تنزّل، ارتقاء — دانۂ گندم، فنا سوئے بقاء
دانۂ گندم، بہارِ بے خزاں — دانۂ گندم، حیاتِ جاوداں
دانۂ گندم، ربوبیّت کا راز — دانۂ گندم، طلسمِ سوز و ساز

آدم و حوّا کی بنیادِ سرشت !
ہے یہی دوزخ، یہی دانہ بہشت

نکتہ

یہ ایک لمحہ — جہانِ نو کا پیامبر ہے
کتابِ فطرت کا اِک ورق ہے
یہ ایک لمحہ جو زندگی ہے
اسی سے دُنیا میں روشنی ہے
یہی ازل ہے
یہی اَبد ہے
یہ ایک لمحہ — ہمارے فکر و عمل کی حد ہے !!

تلاش

میں نوحہ گر ہوں
ضمیرِ آدم کا نوحہ گر ہوں
سزا ملی ہے ضمیرِ آدم کو خودکشی کی
ضمیرِ آدم !!
تجھے مَیں کیسے حیات بخشوں
ترا مسیحا ـــ کہاں سے لاؤں

فیصلہ

آدھا رستہ طے کر آیا،
اب کیا سوچ رہا ہے آخر !
انجانی منزل کی جانب
چلتا جائے
یا واپس ہو جائے راہی !
سوچ کے بھی انداز عجب ہیں
سوچ کے ہی آغاز کیا تھا
سَو رستوں میں ایک چُنا تھا
اور اب سوچ ہی روک رہی ہے ؟
آگے بھی کچھ تاریکی ہے
لوٹ کے جانا بھی مشکل ہے
سوچ کا سورج ڈوب رہا ہے
ایسے راہی کی منزل ہے ـــ آدھا رستہ

دیمک

خیال کی حدتوں میں شب بھر
سلگتا رہتا ہے جسم میرا !!
میں خودگریزی میں مبتلا ہوں
تضادِ علم و عمل سے بچنا
مجھے نظر آ رہا ہے مشکل —— !

میں فکر کی وادیوں میں شب بھر
تلاش کرتا ہوں اس عمل کو
جو سرخوشی دے
مجھے مرے فکر سے بچاتے
کہ فکر ہی زندگی کا گھن ہے٭

مجھے مرا فکر کھا رہا ہے
مگر میں کیسے نجات پاؤں !
کہ اب مرا فکر ہی عمل ہے۔
میں عمر بھر سوچتا رہوں گا
کبھی نہ آزاد ہو سکوں گا
کہ فکر ہی زندگی ہے شاید !
علاج اس کا —— کوئی نہیں ہے
جو یہ نہیں ہے
تو میں نہیں ہوں !

صلابت

آفاقی تنویریں لے کر
سوچ کی راہیں جب چلتی ہیں۔
اندیشے دیوار بنا دیتے ہیں رہ میں
فکر کا راہی ___ رُک جاتا ہے
ہر دیوار کی پیشانی پر،
اِک تحریر اُبھر آتی ہے
رستہ بند ہے !!
فکر کا راہی ___ کب رُکتا ہے
عزم کا پیکر ___ فکر کا راہی، ہر دیوار سے ٹکراتا ہے۔

ہر دیوار ہے ایک روایت
آفاقی تنویر کی دشمن
انسانی تقدیر کی دشمن
عزم کا راہی، اپنے ہی بوسیدہ اندیشوں کا دشمن
ہر دیوار سے ٹکراتا ہے
آخر اِک دن یہ دیواریں
عزم کے آگے ___ جھک جاتی ہیں

تکمیل

امن کیا ہے؟
ایک وقفہ — مختصر
ایک جنگ اور دوسری کے درمیاں

ایک لمحہ ہے بہار
اِک خزاں اور دوسری کے درمیاں
مختصر لمحہ — بہارِ جاوداں کیسے بنے

موت کیا ہے؟
ایک لمحہ — مختصر
زندگی اور زندگی کے درمیاں
ہے اسی لمحے میں پوشیدہ
مرا روزِ ازل — یومِ ابد
پھر — ! حیاتِ جاوداں

تضاد

تجھے بھی حق ہے، مجھے بھی حق ہے
کہ اس جہانِ چہار روزہ میں
اپنے اپنے خیال کی روشنی میں
ہستی بسر کریں ہم —
نہ کوئی دیوار تیری رہ میں
نہ میرے رستے میں کچھ رکاوٹ
یہی تقاضا ہے زندگی کا
ہم اپنے اپنے مدار میں ہوں
کہ سارے اپنے حصار میں ہوں
مگر یہ صورت؟
کہ تیرے میرے خیال میں ہے تضاد اتنا
تجھے نظر آئیں دن کو تارے
مَیں رات کو آفتاب دیکھوں —

شہرِ سنگ

دل ہے —— پتھر
آنکھیں —— پتھر
صورت —— پتھر
حیرت —— پتھر
ہستی —— پتھر
موت بھی —— پتھر
بن بادل برسے ہیں —— پتھر
ایسی آگ کہ ایندھن —— پتھر
اڑتے —— پتھر
بہتے —— پتھر
پتھر کی نگری میں —— پتھر
پتھر سے پتھر —— ٹکراتے
کس پتھر نے اشک بہائے ؟

پُرانے کاغذ

چھُپے ہوئے آتشیں جزیرے
اگر ہوائیں زبان کھولیں
تو آگ لگ جائے پانیوں میں

—— امانتیں ہیں
—— حقیقتیں ہیں
محبتوں کی صباحتیں ہیں
رفاقتوں کی صداقتیں ہیں

بدستِ الفاظِ نرم و نازک
یہ گرد آلود آئینے ہیں

ان آئینوں میں سمٹ رہے ہیں
پُرانے چہرے، پُرانی آنکھیں
ورق پُرانے ــــ دریدہ تن ہیں
یہی تو خلوت کی انجمن ہیں
نشاطِ غم کے کتنے فسانے
سُنا رہے ہیں ورق پُرانے

نقوشِ رنگیں مٹے مٹے سے
چراغ گویا بجھے بجھے سے
پُرانے کاغذ، پُرانے کاغذ
شکستگی کا مزار کہیے
کہ جن پہ کتبہ نہیں ہے کوئی !!

رشتہ

جھلمل جھلمل
دُور افق پر
ایک ستارہ !
اپنے دل کی بات سنائے
میرے دل کی سمجھ نہ پائے
مستقبل کا روشن تارہ
مجھ کو ماضی یاد دلائے
میرا ماضی ؟
ایک کہانی ــــ ایک پہیلی
سندر روپ ــــ سنہرے سائے
جگمگ جگمگ کرنے والے

کتنے تارے،
اُبھرے، چمکے، ڈوب گئے

ایک ستارہ، سب تاروں کو نگل گیا تھا
جانے والے کب لوٹے ہیں؟
اِک اِک کر کے ڈوبنے والے
سب تاروں کو ___ ایک ستارہ ___ کھا جاتا ہے!
مستقبل کا روشن تارہ
چھین کے بیتے لمحے سارے
خود ہی دل میں آبستا ہے۔
بیتے لمحوں کے سب تارے
آنکھ سے آخر، بہہ جاتے ہیں۔
اور پھر، دل میں آنے والا
راہی اپنے مستقبل کا
ایک ستارہ
پتھر بن کر ___ دل کے اندر سو جاتا ہے!!

برقاس

پیڑ چپ چاپ، مکاں گُنگ، فضائیں خاموش
کوئی آواز نہ آہٹ کوئی
اتنی پُر ہول خموشی کہ بیاں سے باہر
نیند بھی ڈرتی ہے سناٹوں سے،
پھر یکایک
میرے کانوں میں صدائیں کتنی
ایک ہنگامہ بپا کرنے کو آجاتی ہیں
گونجنے لگتا ہو ماضی جیسے
چیختا ہے مرے کانوں میں بیاباں کی طرح،

پھر یکایک کسی نغمے کی صدا آتی ہے
یہ مرا فردا ہے آواز مجھے دیتا ہے
جانے پھر کون قدم میرے پکڑ لیتا ہے!
پھر وہی ساکت و جامد ماحول
وہی خاموش فضا،
پیڑ چُپ چاپ، مکاں گُنگ، فضائیں خاموش

فرمائش

آخر اک دن
اُس نے مجھ سے کہہ ہی ڈالا
مجھ پر بھی اک نظم کہو تم
ایسی نظم
کہ جس میں میرا نام نہ آئے
مَیں خود آؤں!

(دوہے)

نہ زباں کوئی غزل کی، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دِلکشا صدا ہو، عجمی ہو یا کہ تازی
(اقبالؒ)

ندی کنارے مَیں کھڑی جاناں ہے اُس پار
رام بھروسے چل پڑوں تن نیّا مَن کھیون ہار!

تارا ٹوٹا دیکھ کے دِل نے کی پکار، !
کوئی مجھے بھی دیکھتا، مَیں ٹوٹا سو بار

پریتم نام کو جاپ لے جانے کل کیا ہو،
مایا وِش کی پوٹلی پریم سے امرت ہو!

بہت پسارا مت کرو انت بسیرا دُور،
جنگل جا کے بایئے کھایئے خُشک کھجُور!

جس بِن تڑپے ماچھری، مُجھ، بِن کلپے دِل ،
نین کو اڑ نراشں کھڑے ، آ ساجن اَب مِل !

مَن مندر کی مورتی مَن کو ہی تڑپائے ،
دیش بدیش بنائے کے اب کاہے کو جائے

نین سے نین ملائے کے، اب کاہے بے چین
ساجن من میں آ بسے، اَب کاہے کو بَین !

مَیں ناچوں جگ ناچتا مَیں روؤں جگ روئے
ایک نہ مانے بانیا پیسے گِن کے سوئے

مورکھ آنکھیں پھاڑ کے دیکھے میری اور
بھید نہ جانے سادھ کا ، چور نے دیکھا چور

لے دے کر کے بانیا عمر اکارت کھوئے
خالی دیکھ کے رودکڑی ہات ملے اور روئے

ٹھاکر دوارے جائے کے جاپو اپنی جات !
ہم جانیں تم نیچ ہو، ٹھاکر سے کیا بات،

جگت گرو کا بالکا کھڑا دُہائی دے ، !
نیند کے ماتو سُنیو گجر سُنائی دے !

بابل گھر کی راگنی ہوئی بدیش سوار، !
شہنائی کی گونج میں سکھیاں کریں پکار

مَیں ندیا کہسار کی چلتی چلتی جاؤں ،
ساگر میری جان ہے — ساگر سے مِل جاؤں

یَں رادھے کا شیام ہوں یَں بنسی کا راگ
یَں جانوں، پرماتما، تُو شیطان تو بھاگ !

توری چِتون دیکھ کے آشا بھئی نراش !
دھرتی تو دھرتی بھیّو دم سادھے آکاش !

ہری ھری میں ہر گئی یَں ہاری ہر بار ،
بار ہی موری جیت ہے موہ سنگ کھیلے یار

نَین پیاسے نین کے مدھوا کاسہ ہوئے
نَین پلاتے، نَین پیئے، انت کو نین ہی روئے

منوا سپنے یاد نہ کر جل بھر آدت نین !
بھور کبھو کی ہوگئی چھوڑ رین کے بَین !

پربت کانپے خوف سے تُو بھاگے مُنہ زور،
ساجن تیرے میت ہیں، اور ساجن کے چور؟

مورکھ، دِل نہ نِندیئے دِل میں دِلبر ہوئے
دِلبر روٹھا کب ملے، ندی کنارے سوئے

غافل ڈوری سانس کی پَل پَل کٹتی جائے !
جھوٹی کال کی بانسری کال کبھو نہ آئے !

مورکھ کُٹیا ہوش کی گھاس پھونس کا ڈھیر،
دیپک آگ لگائے بَن میں دیپ جلے کی دیر!

مایا گِن گِن رین ہوئی، آتی چور کی بار ، !
سویا مورکھ لُٹ گیا، مانگے دوجی بار !

آشاؤں کے دیش میں کھڑی نراشا روئے
میں آشا کا انت ہوں آشش نہ کریو کوئے!

جو سکھیاں رنگ رانڑی کریں سوچ بچار
ایک ہی بُوند میں رنگ نے اُڑنا ہے سو بار

ماٹی پر ماٹی چلے، چلے ھزاروں رنگ،
انت کو ماٹی جا ملے۔ ماٹی ہی کے سنگ!

مورکھ بھاگے جائے ہے جیسے لاگے آگ۔
آگے آگے لوبھ ہے پاچھے خوف کا ناگ!

واصف کہے کبیرے سنو ہمارے یار!
ہم تم جیسے جگت میں آئیں نہ دوجی بار!

کلامِ نو

(نعت، نظم، غزل)

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود
(اقبالؒ)

نعتؐ

"دِسے صورت راہ بے صورت دا"

من رآنی کا مدعا چہرہ — صورتِ حق کا آئینہ چہرہ
سرمگیں چشم آیہ ما زاغ — زلف واللیل والضحیٰ چہرہ
عالمِ خواب میں حقیقت ہے — آپؐ کا چہرہ، آپؐ کا چہرہ
مصطفےٰ آنکھ ہو خدا صورت — ہو خدا آنکھ مصطفےٰ چہرہ
یہی چہرہ نشانِ وجہ اللہ — ورنہ رکھتا ہے کیا خدا چہرہ
یہ ہے تفسیرِ احسنِ تقویم — ابتدا چہرہ، انتہا چہرہ
مرنے والوں کی آخری خواہش — مرے آقاؐ مجھے دکھا چہرہ

رہگزارِ حیات میں واصفؔ
باغِ فردوس کی ہوا چہرہ

باعثِ حرفِ دُعا یاد نہیں
مَیں کسے بھُول گیا، یاد نہیں
کِس نے کی کِس سے جفا، یاد نہیں
کون تھا جانِ وفا، یاد نہیں
کِس نے طوفاں کے تھپیڑے کھائے
کون ساحل پہ رہا، یاد نہیں
جُرمِ اظہارِ محبّت توبہ
کچھ بھی توبہ کے سوا یاد نہیں
کب مری ہمسفری میں آیا
کب ہُوا تھا وہ جُدا، یاد نہیں
کارواں راہ سے کیسے بھٹکا ؟
کون تھا راہنما، یاد نہیں
کب جلا اپنا نشیمن واصفؔ
کب ہُوئی آہ رسا، یاد نہیں

دُور سے اُڑ کے مِرے دیس میں آئی مٹّی
کھا رہا ہوں مَیں بصد عجز پرائی مٹّی
کہیں کاسہ لیے مصروفِ گدائی مٹّی
کہیں انسانوں پہ کرتی ہے خُدائی مٹّی
دامنِ کوہ میں قدرت نے بچھائی مٹّی
ایک فنکار نے رنگوں سے سجائی مٹّی
مَیں ہُوں مٹّی میں کبھی مجھ میں سمائی مٹّی
مجھ کو جنّت سے یہاں کھینچ کے لائی مٹّی
پھر سمجھ آئے گی کیوں اُس نے بنائی مٹّی
تجھ پہ جب ڈالیں گے روتے ہوئے بھائی مٹّی
درِ محبوب سے تھوڑی سی اُٹھائی مٹّی
پھر بڑے فخر سے ماتھے پہ سجائی مٹّی
جس نے محبوبِ وطن کی ہے اُڑائی مٹّی
واصفؔ اس شخص کی ہو ساری کمائی مٹّی

چاندنی رات میں کھلے چہرے
صبح ہوتے ہی چھُپ گئے چہرے

مَیں نگاہوں کو کِس طرح بدلوں
آپ نے تو بدل لیے چہرے

غور سے دیکھ آبگینوں کو
کل کہاں ہوں گے آج کے چہرے

کھا رہے ہیں درخت کا سایہ
ٹہنیوں سے لگے ہُوئے چہرے

اس کا چہرہ کب اس کا اپنا تھا
جس کے چہرے پہ مَر مِٹے چہرے

زندگی میں کبھی نہیں ملتے
کاغذوں پر سجے ہُوئے چہرے

آ گئے کھُل کے سامنے واصفؔ
آستیں میں چھُپے ہوئے چہرے

مرے جہاں کا نصاب چہرے
مَیں پڑھ رہا ہُوں کتاب چہرے

یہی جزا ہے، یہی سزا ہے
ثواب چہرے، عذاب چہرے

کسی جہاں کی حقیقتیں ہیں
کِسی زمانے کے خواب چہرے

یہ زندگی ایک موجِ دریا
رواں دواں ہیں حباب چہرے

مری زمیں کے کسی فلک پر
مہک رہے ہیں گلاب چہرے

کہیں مجسم سوال ہیں یہ
کہیں سراپا جواب چہرے

بپا کریں گے جو حشر واصفؔ
ابھی ہیں زیرِ نقاب چہرے

دُور تک بے مائیگی کا سلسلہ محسوس کر
اپنے جامے سے نکلنے کی سزا محسوس کر

سامنے آتا ہے جو منظر اُسے دھوکا سمجھ
بند ہے گنبد کے اندر جو صدا محسوس کر

خواب کی اونچی اُڑانیں خواب تک محدود رکھ
تنگ ہوتا جا رہا ہے دائرہ محسوس کر

سونپ دے تاریخ کو گزرا ہُوا ہر حادثہ
ہے تجھے درپیش اب جو مرحلہ محسوس کر

پھونک کر اپنا قدم رکھ عبرتوں کے شہر میں
عرصۂ محشر میں تازہ کربلا محسوس کر

بند کمرے کے دریچے خود بخود کھُل جائیں گے
آنے والے شخص کی آوازِ پا محسوس کر

نیند میں ڈوبی ہوئی صدیوں کا واصفؔ ذکر کیا
جاگتے لمحوں کی آوازِ درا محسوس کر

روشنی، کائنات کی خوشبو
چار سُو حُسن ذات کی خوشبو

فاصلے وقت کے سمٹتے ہیں
جب مہکتی ہے رات کی خوشبو

دِل کی گہرائیوں سے جب نکلے
پھیلتی جائے بات کی خوشبو

آدمی کو عدم سے لاتی ہے
عالمِ شش جہات کی خوشبو

تا قیامت رہے گی شرمندہ
کربلا میں فرات کی خوشبو

اِک تعفّن غرور کی دُنیا
عاجزی میں نجات کی خوشبو

اپنے اپنے مزار میں واصفؔ
اپنی اپنی صفات کی خوشبو

تاروں پہ ڈالنے کے لیے جو کمند تھی
دیوار اپنی راہ میں اس سے بلند تھی

وہ شے جو اُس نے اپنے لیے منتخب نہ کی
وہ چیز اُس کو میرے لیے کیوں پسند تھی

لقمہ تھا اپنے ہاتھ میں قسمت کے زہر کا
کام و دہن میں لذت و خوشبوئے قند تھی

اُس کی گلی میں سب کو ملی دادِ تشنگی
نہرِ فرات صرف مجھی پر ہی بند تھی

میدانِ کارزار میں واصف اسے نہ ڈھونڈ
اپنے ہی گھر کے صحن میں جس کی زقند تھی

چاند پانی میں یوں اُتر آیا
کوئی پردیسی جیسے گھر آیا

دِل میں جب حرفِ آرزو نہ رہا
دیدۂ تر میں تب اثر آیا

مَیں بھی اپنے خیال میں گُم تھا
وہ بھی کھویا ہُوا نظر آیا

یُوں تو مُجرم تھے سب برابر کے
سارا الزام ایک پر آیا

کتنے منظر نظر سے گزرے ہیں
عید کا چاند جب نظر آیا

سِل گئے ہونٹ اُس مسافر کے
تیرے کُوچے سے جو گزر آیا

ہم سفر منزلوں پہ جا پہنچے
ایک واصف نہ راہ پر آیا

آپ جس دن سے مہرباں ٹھہرے
ہم عذابوں کے درمیاں ٹھہرے

وقت ہر حال میں گزرتا ہے
وقت کا قافلہ کہاں ٹھہرے

آنسوؤں میں شباب ڈھل جائے
پانیوں میں کہاں مکاں ٹھہرے

پاؤں سے جب زمیں نکل جائے
سر پہ کیوں بارِ آسماں ٹھہرے

اب ترا نام لب پہ ہے واصفؔ
اب کہاں خلق کی زباں ٹھہرے

رخصت کے وقت صبر کی تلقین کر گیا
ایمان ہی مرا مجھے بے دین کر گیا

رکھتا ہے اپنے پاس وہ اب تک مرے خطوط
اپنے خطوط مجھ سے مگر چھین کر گیا

دامن میں اب تو کچھ بھی انا کے سوا نہیں
میرا غرور ہی مجھے مسکین کر گیا

دستِ شفا سمجھتا تھا میں جس کے ہاتھ کو
وہ اپنے ہاتھ سے مری تکفین کر گیا

وہ شخص جس کو حوصلے میں نے عطا کیے
واصفؔ وہ میرے عزم کی توہین کر گیا

مت پُوچھ کہ مَیں کتنی بلندی سے گرا ہُوں
دے مجھ کو دِلاسا کہ مَیں اب ٹُوٹ چکا ہُوں

تُو باعثِ ہستی ہے تو مَیں حاصلِ ہستی
اے تابشِ خورشید مَیں ذرّے کی انا ہُوں

شادابیٔ گلشن میں وہ مصروفِ طرب ہے
مَیں درد کے صحرا میں جسے ڈھونڈ رہا ہُوں

الفاظ کا مفہوم بدل جائے جہاں پر
اُس صورتِ حالات سے دوچار ہُوا ہُوں

اب جاں سے گزرنے کا ہے اک مرحلہ باقی
رِشتوں کی اذیّت کا سفر کاٹ چکا ہُوں

ہم نے اپنے دَور میں کیا کیا دیکھا ہے
تعبیروں نے خواب سے ناطہ توڑا ہے

چاٹ رہی تھیں کرنیں اپنے سُورج کو
آنکھوں نے ایسا منظر بھی دیکھا ہے

اِک جیسے آنسو ہیں سب کی آنکھوں میں
ہر انسان کا ہر انسان سے رِشتہ ہے

تُو نے کیوں ماتھے پہ رکھ لی ہیں آنکھیں
مَیں نے اپنا حق تجھ سے کب مانگا ہے

وقت سے پہلے وقت بدل جائے کیسے
وقت بدلنے کا بھی موسم ہوتا ہے

جب تازہ پیغام ملا ہے منزل کا
اِک اونچی دیوار نے رستہ روکا ہے

اب تو اپنا ہونا بھی مشکوک ہُوا
اس نے میرا نام مجھی سے پُوچھا ہے

بھیڑ کے اندر کیوں افسردہ ہے واصفؔ
اِس میلے میں ہر انسان اکیلا ہے

قدم قدم پہ تھا اِک مرحلہ، مَیں کیا کرتا
طویل ہوتا گیا فاصلہ، مَیں کیا کرتا

ہر ایک شخص کو تھا زعمِ رہبری کتنا
بھٹک رہا تھا مگر قافلہ، مَیں کیا کرتا

غمِ حیات غمِ عشق اور غمِ عقبیٰ
اُلجھ گیا تھا ہر اِک سلسلہ، مَیں کیا کرتا

تمہارے ساتھ کسے فیصلے کی فرصت تھی
تمہارے بعد بھلا فیصلہ مَیں کیا کرتا

بہت سنبھال کے رکھا تھا دل میں راز ترا
وہ راز بن گیا جب مسئلہ، مَیں کیا کرتا

مجھی سے مانگنے آیا وہ دادِ مجبوری
اب اُس سے اُس کی جفا کا گلہ مَیں کیا کرتا

وہ آنسوؤں کی زباں جانتا نہ تھا واصف
مجھے بیاں کا نہ تھا حوصلہ، مَیں کیا کرتا

پھر نگاہوں کو پیاس ہے آجا
پھر مزاجی اُداس ہے آجا

تُو حقیقت ہے یا فسانہ ہے
وہم ہے یا قیاس ہے آجا

سُن رہا ہُوں مَیں آہٹیں تیری
تُو کہیں آس پاس ہے آجا

مَیں چلو گُم سہی فسانوں میں
تُو حقیقت شناس ہے آجا

کوئی دعوٰے نہیں تعلق کا
رسم کی التماس ہے آجا

اب حجابات کی ضرورت کیا
تیرگی کا لباس ہے آجا

کب سے ہے منتظر ترا واصف
کب سے مِلنے کی آس ہے آجا

اُس کا کیا اعتبار، اب سو جا
جا کے آتا ہے کوئی کب، سو جا

دِل کو ہر آرزو سے خالی کر
مطمئن ہو کے بے طلب، سو جا

بے بسی یہ کہ آدمی ہے تو
تو نہیں ہے کسی کا رب، سو جا

یہ بھی ممکن وہ خواب میں آئے
نیند شاید بنے سبب، سو جا

بُجھ گئے ہیں چراغ محفل کے
اب کہاں رونقِ طرب، سو جا

یاد رکھ اس کو خود کو بھی نہ بھلا
نصف شب جاگ نصف شب سو جا

زندگی کا ثبوت دے واصف
سو گئے ذی حیات سب، سو جا

میں نے افکار کے چہرے سے ہٹایا پردہ
کم نگاہی کا ترے ذہن پہ چھایا پردہ

جو حقیقت پسِ پردہ تھی وہ پردے میں رہی
ہم نے بس چوم کے آنکھوں سے لگایا پردہ

یوں تو رحمت ہے تری تیرے غضب پہ حاوی
پھر بھی محشر میں مرا رکھنا خدایا پردہ

ایک پیغام سا مجھے تند ہواؤں نے دیا
جب مری چھت پہ گرا آ کے پرایا پردہ

اُن درختوں کو خدا رکھے سلامت واصف
جن درختوں سے غریبوں نے بنایا پردہ

خوشبو سے رنگ، رنگ سے خوشبو نکال دے
دل کو بجھا کے شہرِ تمنا اُجال دے

اپنے عمل کا آپ ہی اچھا سا نام رکھ
کم ظرفیٔ نگاہ کو حسنِ مآل دے

کچھ اور ہی طرح سے وہ ہوتی ہیں صورتیں
تاریخ جن کو اپنے لیے خدوخال دے

اپنے سکونِ قلب کا کچھ اہتمام کر
اِس خانۂ خدا سے کدورت نکال دے

تیرہ شبی حدود سے باہر نکل گئی
واصفؔ اب اپنے درد کا سورج اُچھال دے

وہ مرا ہم سفر ہو ممکن ہے
زندگی یوں بسر ہو ممکن ہے

ہم جسے تیرگی سمجھتے ہیں
وہ لباسِ سحر ہو ممکن ہے

میرے آنسو بھی خشک ہو جائیں
آنکھ اُس کی بھی تر ہو ممکن ہے

دفعتاً وقت ہی بدل جائے
اتفاقاً نظر ہو ممکن ہے

مَیں نے کعبہ سمجھ لیا جس کو
وہ ترا سنگِ در ہو ممکن ہے

اب کوئی آرزو نہیں باقی
یہ دُعا کا اثر ہو ممکن ہے

مجھ کو اپنی خبر نہیں واصفؔ
تجھ کو میری خبر ہو ممکن ہے

کیوں لب پہ پڑے تالے؟
افلاک ہلا دیں گے اِک روز زمیں والے

کیا بنسری گاتی ہے؟
بیلے میں بہار آئی ساجن کو بُلاتی ہے

کِس طرح کا میلا ہے؟
ہے بھیڑ بڑی لیکن ہر شخص اکیلا ہے

کیوں چھپ گئے سب تارے؟
آنکھوں سے ٹپکتے ہیں دہکے ہوئے انگارے

پنجابی کلام*

جو کیتی سو اَگے آئی — دُدھ دا دُدھ پانی دا پانی
کالی رات وچھوڑے والی — ایہو ڈین اے بندے کھانی

آون جاون والا ساہ — چُپ کر کے پے جاندا راہ
مَیں رانجھے دی رانجھا میرا — چاچا کیدو خواہ مخواہ

رات ہنیری، کلّھا ٹاپو، اُتوں ماہ سیالا
مَیں وچ کلّھا بیٹھ کے پیواں آب حیاتی والا

دستور نرالا اے دُنیا دا اَج کیتیاں تے کل بیتیاں نے
اَگے آوندیاں اپنے آپ دے جی جہیڑیاں وچ دلاں دے نیتیاں نے

اتھے خالی جنا ہندیاں جھولیاں نے اوہ رہندیاں سدا بڑبولیاں نے
جنہاں بُکلاں دے وچ ماہی وسدا اوہ رہندیاں چُپ چپیتیاں نے

میرے سر تے اَنبر ڈگیا مَیں تارے چُن دی جاں
مَیں اپنے آپ نوں ڈنگیا مَیں سپّاں دی وی ماں

---

* "پنجابی کلام" بھرے بھڑولے سے

اُڈدی نہیں اسماناں اُتے اپنے آپ پتنگ
جیہدے ہتھ وچ ڈورا اے تیری اودیاں خیراں منگ
ایہہ حیاتی اپنی ساری رُوح تے بُت دا جھگڑا
رانجھا رانجھا کر دی مرگئی سیھرے یار دی منگ

دل دے اندر خانہ کعبہ ساڈا ہویا گھر وچ حج
آپ اِمام تے آپ نمازی آپے بانگاں دیواں اُج
نیڑے آکے وَیہڑے ساڈے وسناں ای تے وَس
دُوروں چمکاں مار نہ سانوں اینویں نہ پیا گج

ساڈی کوٹھی دانے پا | نہیں تے نہ سہی آپوں کھا
تیری سب خدائی ڈِٹھی | اِس تو اگلی گل وکھا

اج کل میرے چار چوفیرے تیرے درداں لائے ڈیرے
جیوں دِیوے دی لَو تے بیٹھے پہرے دار ہنیرے
میرے دل دی سِپ دے منکے، کجھ اسماناں تے جا چمکے
باقی رات نے اوس بنا کے پھُلاں اُتے کیرے
ایہدی کجھ تعبیر وی دسو، جم جم جیو، جُگ جُگ وسو
میں سُفنے وچ کی ویہندا ہاں، چھلّاں بیٹھ بنیرے

آپے اپنی رت نچوڑی آپے رو رو ہسیتی
دسن والی گل نہیں کوئی، جو بیتی سو بیتی
تیرا دوش نہیں اے کوئی، جو ہونی اے ربی ہوئی
ساڈے نال تے جیہڑی ساڈے اپنے لیکھاں کیتی

اکھاں دے وچ وسن والا سوہنا نظر نہ آوے
دِل نوں ٹھنڈک دیون والا دِل نوں اگ لگاوے
کالی رات جدائی والی اپنا رنگ دکھاوے
پُچھو نہ کیوں کالے ہوگئے سُوہے، پیلے، ساوے
ہتھوں باز اُڈا کے سسی تھلاں نوں ٹر جاوے
چِلّی دا وچھوڑے والی کُونج پئی کُرلاوے
جیہڑا سوچ سمندر وڑیا، ڈُبڈا ڈُبڈا جاوے
سُچا موتی سوچ سِپی دا مر مر کے ہتھ آوے
آساں ماری ہیر وچاری زاریاں کر دی جاوے
رانجھا کن چ مندراں پا کے آوے یا نہ آوے
دِیوے خوشیاں دے بجھ جاون، غم موسم جد آوے
وسدے شہر نہ ملدے جتھے ڈیرا عشق لگاوے
کانہوں، کیویں، کد، کی ہویا خلقت پُچھن آوے
لوکاں نوں دس تیرا واصف کیہڑی گل سُناوے

تصانیف

واصف علی واصف

* کرن کرن سورج ـــــــ (نثر پارے)
* دل دریا سمندر ـــــــ (مضامین)
* قطرہ قطرہ قلزم ـــــــ (مضامین)
* The Beaming Soul
* حرف حرف حقیقت ـــــــ (مضامین)
* بھرے بھڑولے ـــــــ (پنجابی کلام)
* شب راز ـــــــ (شاعری)
* بات سے بات ـــــــ (نثر پارے)
* گفتگو ـــــــ (سوال جواب)
* گمنام ادیب ـــــــ (خطوط)